

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# رِسْمَاتُ الْأَنْصَارِ

مُوسُوْمٌ

# لِمَاتُ الْأَنْصَارِ

از آن مدت شیخ احمد کا صفاتی نہ بالکل صاحبِ فضل و کمال تحریر نہ آ کرہ

حضرت حاجی اوگھٹ شاہ صاحب دارالی

حلیم گیریں ملکہ راماداہ ولی

اَنَّا

حضرت حاجی قیریزت شاہ دارالی مدظلہ

بیرونیہ ملکہ دلپشی پاکستان

# رشحات الائس

موسوم به

## لماعت القدس

از تایف

حضرت حاجی فقیر او گھٹ شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ

با ہتمام:

حضرت حاجی فقیر عزت شاہ وارثی مدظلہ

ملنے کا پتہ: آستانہ عالیہ وارثیہ

حضرت حاجی و حافظ فقیر اکمل شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ

چھپر شریف ڈاکخانہ چنگا بنگیاں تحصیل گوجرانوالہ ضلع راولپنڈی (پاکستان)

— ۶۸۵ — جملہ حقوق بحق وارثیہ پرنگ پر لیس محفوظ ہیں۔

سال اشاعت: اکتوبر 2000ء

تعداد

1000

مطبع

وارثیہ پرنگ پر لیس گوجران والہ پاکستان

فون نمبر

0571-512048

## یَا وَارث



الْحَمْدُ لِمَنْ قَدَرَ خَيْرًا وَ جَنَّا لَا  
وَالشُّكْرُ لِمَنْ صَوَرَ حُسْنًا وَ جَمَالًا  
ثُمَّ اشْهَدُ بِاللَّهِ هُوَ الْوَاجِدُ حَقًا      ثُمَّ اشْهَدُ إِنْ قُدْرَةً لِلَّهِ تَعَالَى  
اللَّهُ اللَّهُ كِيَا شَانْ ہے کہ خالق کون و مکان کے ایک فرمان کن نیکوں نے یہ کرشمہ  
دکھایا کہ ہیز دہ ہزار عالم خلوت عدم سے جلوت وجود میں آیا۔ جو صانع ہے چون و نیچگوں  
کے انعامات گوනا گوں سے سراپا مملو ہے۔

تعالیٰ اللہ کمالِ صنع بیتوں	کہ مارا از عدم آورد بیرون
وجود جملہ ظلن حضرت اوست	ہمه آثارِ صنع قدرت اوست

چنانچہ تمامی کائنات حضرت الوہیت کے کمالات کا مجموعہ اور کاراحدیت کے  
صفات کا آئینہ ہے۔ از عرش تابہ فرش کی قدرت آشکار اور اس کی صنعت کا اظہار ہے بقول  
ہمه اسامی مظاہرِ اسما

لیکن با وجود یہکہ جملہ مخلوق اپنی سیرت میں فرد اور صورت میں بے نظیر ہے۔ مگر یہ مسلم ہے

کہ انسان صنعت آجی کی مخصوص اور مکمل تصوری ہے۔ بمصدقاق۔ ”لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ“ جس طرح ذات ایزدی یکتا و بے ہمتا ہے اسی طرح یہ یکل انسانی اُس کی قدرت کاملہ کی بے مثل نشانی اور تمامی مخلوق سے افضل و ممتاز۔ اور خطاب ”لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ“ سے سرفراز ہے بقول جامی علیہ الرحمۃ

اے ذات تو از صفاتِ ما پاک      کنه تو بُدن ز حداد راک

آدم بتو شد مکرم ارنہ      پیداست مقام ذرہ خاک

بلکہ خاص اسی مشت خاک کا یہ شرف و اختصاص ہے کہ حضرت احادیث جل جلالہ نے اپنے پید قدرت سے خمیر کیا اور اس کی صنعت بے عدیل نے ایسا نکیل و جیل مجسمہ تعمیر فرمایا جو بخلاف آب و گل بظاہر تیرہ و تاریک ضرور ہے مگر در حقیقت انوار قدیسہ سے پر نور اور اسرار الٰہیہ سے محمور ہے۔ بقول۔

ز ہے در تیرگی دیدار کردہ      طلسم گنج پر اسرار کردہ

حجاب صورت آنجاباً زستہ      خودی و خویش در پرده نشستہ

حتیٰ کہ صانع بالکمال نے ”وَنَفَخْتُ فِيهِ مَنْ رُوحِي“ - کا مقتدر اعزاز۔ اور ”

فَلِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبَصِّرُونَ“ کا مخصوص احتیاز مرحمت فرماد کراس حسین مجسمہ کو تمام عالم و عالمیان سے ایسا برگزیدہ و ممتاز کیا کہ معراج معرفت میں ”عَلَمَ آدَمَ الْأَسْمَاءُ كُلُّهَا“۔

کی دولت لازوال و دیعت ہوئی۔ اور سرکار احادیث سے اس خاک کے پتلے نے خلیفۃ اللہ کا پاک اور مقدس خطاب پایا۔ اور ذات واجب الوجود کا آئینہ۔ اور اس کے صفات غیر محمد و دکا مظہر اتم ہوا۔ بقول

خداوندے کے جان نکشید اور اک      نہاد اسرار خود اور کف خاک

ز خا کے این ہمس معنی نمودہ      در و دیدار خود پیدا نمودہ

حقیقت یہ ہے کہ وہ شاہد بے ہمتا جو پرده عظمت اور حجاب خفایاں بخلاف یکتا ہمیشہ

سے مستور تھا۔ اُس نے باوجود بے نام و نشان ہونے کے یہ شان دکھائی کہ صورت آدم میں  
جلوہ نمائی فرمائی۔ بقول

اے مغربی آن یار کہ بے نام و نشان بود  
بے نام و نشان آمد و بانا و نشان شد  
یعنی اُس لامکان کی بیرنگی کا اظہار اس رنگ میں ہوا۔ کہ  
خل قدم کہ از چمن جان برآمدہ  
شاخ گلے بصورتِ انسان برآمدہ  
لہذا انہیں مخصوص صفات کے لحاظ سے آدم باعتبار دیگر ممکنات کے اکمل و افضل  
ہے۔ جس کے شرف و اقتدار کا اعلان بروز میثاق ہوا کہ جناب احمدیت جل جلالہ نے اپنی  
مقرب و نورانی مخلوق سے حکم فرمایا کہ ”فَلَنَا لِلْمَلِكَةِ اسْجُدُوا“

آن دم کہ آدم آمد گردید آشکارا  
اسرارِ کنت کنز آکا لشمس و انہارا  
اگر یہ وجود خاکی رموزِ حقیقت کا آئینہ۔ اور علومِ معرفت کا گنجینہ نہوتا تو اس کے آگے مخلوق  
قدی سر شست سرتلیم خم نہ کرتی۔ اور ابوالبشر آدم علیہ السلام مسجد و ملائک نہوتے۔ بقول  
حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ۔

گرنہ بودے ذاتِ حق اندر وجود  
آب و گل را کے ملک کر دے بخود  
غرض انسان ہر چند خلقتاً ضعیف النبیان ضرور ہے۔ مگر بکمالِ تحمل و استقلال اس  
سرفروش نے وصال شاہدِ حقیقی کے جوش میں ناقابل برداشت بار امانت اٹھایا۔ جس کے  
صلدہ میں سرکارِ کریم کار ساز سے یہ اعزاز ملائکہ اپنے عاشق جان باز کو جملہ مخلوق سے متاز  
فرمایا بقول۔

کر د فرایز دی بہیت آدم گرفت

رحمت پور دگار صورتِ انسان رسید

چنانچہ کتب سیر کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ از آدم تا ایندم کوئی قرن ایسا نہیں گزرا کہ کسی فرد بدنی آدم کی مخصوص خصوصیت کا شہرہ نہ ہوا اور اس کے علوی مرتبہ کا نقراہ نہ بجا ہو۔ بلکہ ہر عہد میں خصوصیت کے ساتھ انسان کی شان و عظمت کا نشان بلند رہا۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ درحقیقت انسان جامع کمالات ہے۔ جب تک حجاب تعینات میں محبوب ہے۔ مجبور ہے۔ اور جب توفیق الٰہی سے اپنی اصل کی جانب رجوع ہوتا ہے تو آبائی شرف و اختصاص کا حقیقی ورثہ اس کو ملتا ہے۔

بلکہ ایسے انسان کامل کا عہد زندگی دنیا میں غیر معمولی طور پر یادگار ہوتا ہے۔ اور اُس کی قوم فخر و مبارکات کے ساتھ اس کے فضل و اقتدار کا اقرار کرتی ہے۔ اور اس کی گرویدہ ہو کر اس کی تقلید میں سرگرم رہتی ہے۔ اور اس کے افعال و اقوال قلب بند کرتی ہے۔ جس کے مطابعہ سے دوسروں کو ہمیشہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

بلکہ بعض مقدس حضرات نے اپنے سوانحات نہایت تصریح و تشریح سے تسطیر فرمائے ہیں اور وہی ذریں ہدایات کا مجموعہ سالکین راہ طریقت کے لئے مکمل دستورِ عمل۔ اور حصول فیضانِ باطنی کا مفید ذریعہ بنائے۔ جس کی نسبت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

کلک تو بارک اللہ در ملک و دین کشادہ

صد پشمہ آب حیوان از قطرہ سیاہی

مگر یہ خصوصیت انہیں بر گزیدہ ہستیوں کے تذکروں میں ہے جن کو تقربہ الٰہی کا شرف اور حیات جاوید حاصل ہے اور جو واقعی انسان بلکہ انسان کامل ہیں۔ اس لئے کہ ان کا عہد ظاہری جس طرح خلق کو فائدہ پہونچاتا ہے۔ اسی طرح ان کا باطنی تصرف بھی سائز و دائرہ ہے اور رہیگا۔ کیونکہ بقاء ایزدی نے ان کو حیات سرمدی مرحمت فرمائی ہے۔ بقول حضرت

جامی علیہ الرحمۃ۔

زندۂ عشق نہ مُردست و نیمرد ہرگز

لایزالی بو و این زندگی و لم یزی

انھیں حضرات کے حالت و واقعات قابل تحریر بھی ہیں اور ان کے اقوال و افعال  
میں یہ تاثیر بھی ہوتی ہے۔ کہ صدیوں کے بعد ان کے مطالعہ سے ناظرین کامیاب اور فائز  
الرام ہوتے ہیں۔ لیکن ماوشما کے سوانحات نہ اس لائق ہیں کہ تحریر میں لائے جائیں۔ ورنہ  
ان کا مطالعہ آئندہ نسلوں کو مفید اور سودمند ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اکثر احباب نے اس فقیر سے فرمایا کہ تم اپنے حالات زندگی قلمبند کرو۔ جو ہماری واقفیت  
کے لئے مفید اور بکار آمد ہوں گے۔ لیکن میں نے ہمیشہ یہی عرض کیا کہ فقرائے کا ملین کے  
تذکرے مفید ضرور ہوتے ہیں۔ مگر وہی حضرات جو صاحب خیر و برکات ہیں ان کے اقوال و  
افعال چونکہ حقانیت سے مملو ہوتے ہیں۔ اس لئے ان مقدس ہستیوں کے حالات و واقعات میں  
بھی یہ اثر ہضم رہتا ہے کہ ان کے مطالعہ سے ناظرین کے عادات شائستہ اور خیالات پختہ ہو  
جاتے ہیں۔ لہذا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ بزرگوں کے تذکرے بھی فیض و تصرف سے خالی نہیں  
ہوتے۔ لیکن میرے حالات نے قابل ذکر ہیں نہ لائق التفات۔ ”من آنم کہ من دانم“ کا مضمون  
ہے جب کہ میری اس ہستی سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچا تو میرا تذکرہ کب سودمند ہو گا۔

لیکن جب احباب نے بار بار یہی اصرار کیا تو مجبوراً مجھ کو یہ خیال ہوا کہ میرے  
حال تواریخ حقیقت معمولی واقعات ہیں جو ہرگز اس لائق نہیں کہ نذر ناظرین کروں۔ البتہ  
میری زندگی کا وہ حصہ جو پیشوائے برحق کے حضور میں گذرائے وہ اس وجہ سے قابل ذکر ضرور  
ہے کہ ایسے ہادی کامل کافی۔ اور ایسے زبردست رہنماء کا دست گرفتہ ہوں جس کی عظمت و  
رفعت کا شہرہ چار دنگ عالم میں ہے۔ اگر اس سلسلہ میں اپنی بیعت واردات اور اپنی تہبین پوشی  
کا ذکر کروں تو شاید زیادہ مناسب ہو گا۔ کیونکہ درحقیقت وہ ذکر سیدی و مولائی۔ مرشدی و آقاۓ

سرکار عالم پناہ۔ آیت مَنْ آیاتِ اللہ۔ حضرت وارث پاک۔ خلف الصدق صاحب لواک  
کے فیضان و تصرف کا ذکر ہوگا۔ لہذا بقول مولانا علیہ الرحمۃ۔

خوشنتر آن باشد کہ سر ز دل بران

گفتہ آید در حدیث دیگران

لہذا اس پرده میں اپنی حقیقی زندگی کے حالات۔ یعنی وہ واقعات جو بارگاہ وارثی  
میں حاضری کے وقت دیکھئے ہیں نگارش کروں گا۔ لیکن محض سلسلہ کی غرض سے پہلے اپنی ابتدائی  
کیفیت اور آبائی حالت مختصر لفظوں میں عرض کرتا ہوں۔ مصرع

”آن کس کے گفت قصہ ما ہم زماشندی“

ہر چند فقیر کا آج کوئی مملوکہ مکان کہیں نہیں۔ لیکن اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ قصہ بچھرا یون ضلع  
مراد آباد کا قدیم رہنے والا ہوں۔ اور آج بھی اس قصہ میں جب آتا ہوں تو والد ماجد کا مزار  
چونکہ مسجد سہراب شاہ میں ہے اس لحاظ سے حسب ہدایت پیشوائے برحق وہیں قیام کرتا ہوں  
پہلے میرا آبائی نام بدر الدین تھا۔ میری پیدائش ۸ محرم الحرام ۱۲۹۱ ہجری میں ہوئی  
اور والد بزرگوار کا اسم گرامی شاہ نہش الدین قادری چشتی صابری علیہ الرحمۃ ہے۔ جو ابتدा  
میں زمیندار و ملازمت پیشہ تھے۔ لیکن بعدہ جناب حاجی غلام رسول صاحب قادری قدس  
ستہ مندا رائے گود ہنا ضلع بلند شہر کے جب مرید ہوئے اور شاہ صاحب موصوف نے  
سیاحت کا حکم فرمایا تو مسلسل بارہ سال تک سیرو سیاحت میں مصروف رہے۔ اور ہر طریق و  
شرب کے مشاہیر حضرات کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ بلکہ بعض فقراء ہند کے ساتھ  
بھی رہنے کا اتفاق ہوا جیسا کہ آزاد خیال حضرات کا ندائی ہوتا ہے۔ بقول

تلسی جگ میں آئے کے سب سے ملئی دہائے

نا جانے کہہ بھیں میں نارائن مل جائے

چنانچہ فقراء ہند کے ارتباط و اتحاد سے یہ فائدہ ہوا کہ قواعد یوگ اور رضوانی جوگ

جو طے مراحل کے لئے ان کے مشرب میں لازمی ہیں ان سے کملانہ واقفیت ہوئی۔ اور طبیعت کا یہ انداز ہو گیا۔ کہ ہر طریق و مسلک کے فقیر سے بجز اتحاد کے اختلاف نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ جملہ اہل مل مذاہب سے یکسان ملتے تھے۔ حتیٰ کہ یار و اغیار کی بھی تفریق اخلاق میں نہیں۔

بعد مدت معینہ جب سیاحت سے واپس آئے۔ تو جناب شاہ صاحب مددوح الصدر نے رموز تو حید تعلیم فرمائے۔ اور خلافت نامہ دیکھ طریق قادریہ میں جس کا سلسلہ قطب الاطباب حضرت اخوند صاحب مندوم الولايت صوات بیز سے ہے خلیفہ مجاز کیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ پیر ان کلیر شریف میں جا کر حقیقت آگاہ جناب پیر علی شاہ صاحب پشتی کے دست حق پرست پر سلسلہ صابریہ میں بیعت کرو۔

چنانچہ اسی وقت بمصدق "بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغان گوید" پیر ان کلیر شریف کا سفر کیا۔ اور حسب الحکم پیر علی شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نے بکمال شفقت خاندان چشتیہ صابریہ میں داخل کیا۔ اور بعد ہدایات ضروریہ شرف خلافت سے مشرف فرمایا۔ اور اپنا بھرہ جس کا سلسلہ حق نیوش حضرت شاہ خاموش قدس سرہ العزیز سے ہے مرحمت فرمائی کہ اجmir شریف جاؤ۔

جناب والد ماجد نے اسی شب کو حالت جوش و وجد میں ایک غزل لکھی جس کا مطلع اولیٰ یہ ہے۔

کہوں کیا زتبہ علی علاو الدین صابر کا  
جسے دیکھو ہے متوا اعلاو الدین صابر کا  
دوسرے روز اجmir شریف کا سفر کیا۔ اور حضرت غریب نواز کے آستانہ اقدس پر  
حاضر ہو کر خانقاہ کے ایک بھرہ میں چلہ کش ہوئے۔

ہنوز آپ اجmir شریف میں حاضر تھے۔ کہ بچھرایوں میں یہ واقعہ پیش آیا کہ سقف مکان سے شارع عام کی جانب میں گر پڑا۔ لیکن محلہ خوب یاد ہے کہ اس گرنے میں صاف طور پر یہ

دیکھا کہ ایک زین مجد و بہ نے مجکو گود میں لے لیا۔ چنانچہ باوجود ایسی بلند چھت سے اور پتھر سڑک پر اس طرح گرا کہ زندہ رہنا ناممکن تھا۔ مگر پیر ان طریقت کے فیضان و برکت سے میرے تمام اعضا زخم اور چوٹ سے بالکل محفوظ رہے۔ بقول حضرت مولانا علیہ الرحمۃ  
اویارا ہست قدرت ازا آله

تیر جستہ باز گرداند زراہ

اس واقعہ کے پانچ روز کے بعد جناب والد ماجد ابی میر شریف سے بچھلایوں آئے۔ اور فرمایا کہ خواجہ غریب نواز کے تصرف سے مجکو وہیں معلوم ہوا کہ بدال دین گوئھے پر سے گرا ہے۔ اور اسی وجہ سے بچھلایوں آنے کا حکم ہوا۔ لیکن جب مجکو تند رسٹ دیکھا تو خوش ہو کر سجدہ شکر ادا کیا اور ہر وقت مجکو ساتھ رکھنے لگے۔

اُسی زمانہ میں ایک درویش جنکا نام موہن شاہ تھا۔ اور ایک مجد و بہ عورت مسکی بنو کا بہت شہر تھا۔ اور قصبه کے باشندے ان کو اہل جذب اور صاحب باطن سمجھتے تھے۔ اور یہ دونو خدا شناس والد ماجد کے پاس زیادہ آتے تھے۔ چونکہ میری عمر بہت کم تھی اور ان کی خدمت میں اس قدر شوخ ہو گیا تھا کہ اکثر موہن شاہ کے کاندھے پر سوار ہو جاتا تھا۔ مگر وہ اپنے حلم اور محبت سے میری اس گستاخی کو بھی نظر انداز فرماتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں کوئھے سے گرا تھا تو پارہ عم (۳۰) میں سورہ کافرون پڑھتا تھا۔ لیکن قرآن مجید ختم کرنے کے بعد میں سرکاری مدرسہ میں داخل ہوا۔ پھر مدرسہ اشفاقیہ اور نیز دیگر مکتبوں میں تعلیم پائی۔ اور میلا دخوانی کا شوق ہوا تو والد نے چودھری محمد احسن خان صاحب کے سپرد کیا۔ جن کی خوش بیانی آج تک مشہور ہے۔ اور روزش میں استاد بُد ہوا ہن گر کاشا گرد کردا یا۔

چونکہ جناب والد نے پھر سیاحت نہیں فرمائی۔ اس لئے اکثر درویش آپ کی ملاقات کو بچھرایوں آیا کرتے تھے۔ بلکہ پنجاب سے ہندو فقیر بغرض استفادہ و رفع شکوہ جب آئے تو

آن کا قیام مہاد یوم ندر میں ہوا۔ والد ماجد و میں جا کر سیل تالاب پر بیٹھت تھے۔ اور کسی تے اذ کار و اشغال کا تذکرہ کسی سے رموز تو حید میں گفتگو ہوتی تھی۔ اور کسی کو یوگ اور ہنگ کے منصوص قواعد و فوائد سے آگاہ فرماتے تھے۔ اور چونکہ میں ہر وقت ساتھ رہتا تھا اس لئے وہ یادگار سبjetin یاد ہیں۔ اور ان کا نقشہ آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔

ایک روز امرا و سنگھ سب اسپکٹر پولیس اور غشی اسد خان صاحب اسپکٹر حلقہ جو والد معتقدین میں تھے۔ آئے۔ اس وقت میں بھی حاضر تھا والد ماجد نے ان دونوں کو بھی بعض نصیحتیں کیں۔ اور اسی اشنا میں مجھ سے مناطب ہو کر فرمایا سنو۔

پیران سخن بہ تجربہ گفتند گفتمت

ہاں اے پیر کہ پیر شوی پند گوش کن

بدر الدین۔ ہم تم کو بھی ایک نصیحت کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں صاحب اس کے شاہد رہنگے کہ اگر ہماری ہدایت کی خلاف ورزی کرو گے تو میں ہمیشہ ناخوش رہوں گا۔ ہر چند اس کی امید نہیں کہ تم مجبور نبیندہ کرو گے۔ بلکہ خدا نے توفیق دی تو ضرور میری اس نصیحت کو مانو گے

۔ بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ

نصیحت گوش کن جان کہ از جان دوست تر دارند

جو انان سعادتمند پند پیر دا نارا

میں نے عرض کیا کہ فرمائیے۔ انشا اللہ آپ کے حکم کی ضرور تعییل کروں گا۔ ارشاد ہوا کہ تمہارے واسطے یہی مناسب اور مفید ہے کہ تم مناکحت نکرنا۔ اور ہمیشہ مجرز و اور آزاد رہنا میں نے شوخی سے عرض کیا کہ آپ نے کیون شادی کی۔ فرمایا کہ ہم نے اپنے باپ کے حکم کی تعییل کی ہے۔ اسی طرح تم اپنے باپ کی ہدایت پر عمل کرو۔ انہوں نے شادی کر نیکی ممانعت نہیں کی۔ بلکہ خود ہماری شادی کر دی۔ اور ہم تم کو نصیحت کرتے ہیں کہ شادی نکرنا میں نے سرتسلیم خم کیا۔ اور دست بستہ ہو کر اقرار کیا کہ جو آپنے فرمایا ہے وہی کروں گا۔

غرض ہمیشہ آپ کی توجہ میری تربیت کی جانب مبذول رہی۔ معمولی باتیں بھی زرین نصیحتوں سے مملو ہوتی تھیں۔ اور ہر وقت فقر و تصوف کے نکات بیان فرماتے تھے۔ جن کے سمجھنے کے لئے اس وقت میری عمر اس قدر نہ تھی۔ افسوس ہے کہ آپ کے خزینہ صدر کے جواہر بے بہا کے حصول سے یہ بدنصیب محروم رہا۔ کیونکہ میرے غفوں ان شباب میں دفعتاً آپ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ اور بعد کو معلوم ہوا کہ یہ آخری یماری تھی۔

چنانچہ پہلے بچھڑیوں کے اطباء کا علاج ہوا۔ مگر جب اناقہ نہ دیکھا تو آپ بغرض علاج امر دہہ میں آئے۔ اور بجکو ہمراہ لائے۔ چند روز کے بعد میرے مخملے بھائی ذاکر ثقر الدین بھی وہاں آگئے۔ ہم دونوں تیارداری میں مصروف تھے کہ ایک روز مجھ سے فرمایا کہ اب ہم اچھے ہیں تم قصبه دیوی شریف ضلع بارہ بنکی میں جاؤ۔ اور جناب حاجی سیدوارث علی شاہ صاحب کے مرید ہو۔

ہر چند بجز تعمیل ارشاد کے عذر کرنا لازم نہ تھا۔ مگر حالت چونکہ روز بروز متغیر ہو رہی تھی اس لئے مفارقت گوارانہ ہوئی۔ اور اضطراری عالم میں یہ عرض کیا کہ جب تک آپ کو صحت کامل نہ ہو جائے گی میں آپ سے ایک دن کے لئے بھی علیحدہ نہ ہونگا۔ پھر آپ نے یہ اصرار فرمایا کہ تم جاؤ ہم اچھے ہو جائیں گے۔ اور یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ جناب حاجی صاحب قبلہ سیر و سیاحت میں رہتے ہیں۔ اگر دیوی شریف میں نہ ہوں تو دریافت کرنا۔ اور جہاں قیام پذیر ہوں وہیں جا کر ان کے مرید اور انہیں کے فقیر ہو جانا۔ ان کا لباس نہیں احرام ہے۔ اور شیرینی میں لڈو۔ اور خوشبو میں حنا کا عطر پسند ہے۔ یہی ہدیۃ لیجانا۔ میں نے پھر وہی عرض کیا کہ چند روز میں آپ کو افاقہ ہو جائے گا۔ اس وقت انشاء اللہ میں جاؤ نگا۔ اور بہ سر و چشم آپ کے حکم کی تعمیل کرو نگا۔ اس کے بعد آپ خاموش ہو گئے۔

جناب والد ماجد قبلہ کی یہ ہدایت جو میرے دین و دنیا کی سلامتی کے واسطے کافی اور میری زندگی کیلئے سرمایہ ناز ہونے والی تھی۔ جب ختم ہوئی تو چند گھنٹے کے بعد رشتہ

دیات قطع ہونے کے آثار نمایاں ہوئے۔ حتیٰ کہ اسی روز (عنی ۱۳۱۲ ہجری) کو بعد ظہر نفس جسدی سے طاری روح پر فتوح نے پرواز کیا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

قبل انتقال کے یہ بھی فرمایا تھا کہ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے ہادی طریق چشتیہ کے مزار اقدس کے قریب جو محلہ بٹالا (امروہ) میں ہے میری قبر ہو۔ اور اگر بچھڑا یون لیجاتا تو مسجد سہرا ب شاہ میں مجکوڈن کرنا۔

چنانچہ بھائی قمر الدین نے بچھڑا یون لیجاتا مناسب سمجھا۔ اور فوراً ایک تانگلہ کرایہ کیا اور امروہ سے روانہ ہوئے۔ راستے سے بجلت تمام میں آگے بڑھا اور مکان پر جا کر خبر کی۔ اور تجویز و تکفین کا سامان کیا۔ اور نصف شب کے قریب وہ جسم نورانی حسب ہدایت مسجد سہرا ب شاہ میں سپردخاک کیا۔

جب ٹل حمایت پدری سرپنہ رہا تو والدہ صاحبہ کے سایہ عاطفت کو مختتم جان کر ان کی خدمت گذاری میں ایسا مصروف ہوا کہ والد مر حوم کی آخری ہدایت کی بھی تعییل نہ کر سکا۔ اور دیوی شریف تک سفر کرنے کا موقع اس وجہ سے نہ ملا کہ والدہ کی طبیعت ناساز رہنے لگی۔ اور اگر ان کے علاج سے کبھی تھوڑی فرصت ملی بھی تو ان کا ضعف دیکھ کر علیحدہ ہونا دل نے گوارانہ کیا۔ اور ان کا اضھال یو ما نیوما ایسا بڑھتا گیا کہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے بھی پانچ ماہ کے بعد ربع الاول ۱۳۱۲ ہجری میں ہمیشہ کیلئے اس دارفانی کو چھوڑا اور ملک جاؤ دانی کو رحلت فرمائی۔

بعد مراسم چہلم وغیرہ میں نے ایک شب کو یہ خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ تمہارے والد زندہ ہو کر آگئے۔ اور تم کو بلا تے ہیں۔ یہ خبر سن کر میں دوڑا۔ راستے میں غیر معمولی جھوم نظر آیا۔ جب اس مجمع کے قریب پہنچا۔ تو یہ دیکھا کہ ایک سانپ ہے۔ جس کا سر اور دم زمین کے اندر اور بقیہ جسم باہر ہے۔ اور لوگ اس کو نکالنا چاہتے ہیں مگر وہ نکلتا نہیں۔ میں نے

بھی اس کے نکالنے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ نہیں نکلا تو کسی نے کہا کہ اس کو چاقو سے کاٹ دو میں نے ایسا ہی کیا تو اس کے نکڑے بے آسانی نکل آئے۔ اس کو چھوڑ کر آگے چلا تو حاجی اشFAQ حسین صاحب کو دیکھا کہ اپنے مکان میں حسب معمول چوکی پر بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہیں۔ چونکہ والد کے دیکھنے کا اشتیاق ایسا تھا کہ مامون صاحب کے پاس بھی نہیں ٹھہرا۔ اور قصبه کے باہر شرقی و جنوبی سمت وہ تالاب جو گندہ کے نام سے مشہور ہے اس کے قریب جا کر نظر آیا کہ تالاب کی دوسری جانب ایک باغ میں والد تہبند باندھے بیٹھے ہیں۔ اور کلمہ طیبہ کا ذکر بالجھر کر رہے ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی۔ مگر طغیانی کی وجہ سے تالاب کے پار نہ جاسکا۔ مجبور ہو کر آواز بلند عرض کیا کہ میں کس طرف سے حاضر ہوں جس کے جواب میں والد نے یہ فرمایا کہ پورب سے آؤ گے تو مجھ تک پہنچ جاؤ گے۔ حسب ہدایت میں پورب کی جانب چلا تو ایک پشتہ نظر آیا۔ اس پر چلنے کا قصد کیا۔ تو بیدار ہو گیا۔

میں نے اس خواب کی تعبیر یہ سمجھی کہ جب تک پورب جا کر جناب حاجی صاحب قبلہ کا حلقة بگوش نہ ہوں گا۔ دنیا کے عمیق تالاب سے عبور و شوار بلکہ اس کی سمعی و کوشش کرنا بھی بیکار ہے۔ بقول۔

نہ شوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود

گرتو سرگشته شوی دائزہ امکان را

اس روز سے فکر زیادہ ہوئی کہ جس طرح ممکن ہو جلد سے جلد یہ دولت سرمدی حاصل کروں لیکن سفر کے لئے خرچ نہ تھا۔ اس لئے چند روز حاضری سے معذور رہا۔ ہر چند ناداری کے باعث اس سفر کی اہمیت زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ بلکہ اکثر مایوس بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن کوئی قوت پھر آمادہ کرتی تھی۔ اور دل افسر دہ بیساختہ کہتا تھا۔

حاقطا غم نور کہ شاید بخت عاقبت برکشد ز چہرہ نقاب

ناگاہ غیب سے یہ سامان ہوا کہ ایک ضعیفہ جو والد مژوم کی مریدہ تھی وہ آئی اور پچاس روپیہ پیش کرنے کے بعد کہا کہ یہ میرے پیر کا حکم تھا جس کی میں نے قبول کی۔ اب تم حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں جاؤ۔

میں نے خیال کیا کہ اس سفر کے واسطے پچاس روپیہ زائد ہیں۔ اس لئے بمصداق۔ ”ہرچہ گیرید مختصر گیرید“، پچیس روپیہ اس ضعیفہ کو واپس کئے۔ اور باقیہ پچیس روپیہ لیکر شوق ارادت میں یہ شعر پڑھتا ہوا پچھلائیون سے روانہ ہوا۔

جاتے ہیں اب تو کوئے بُت لالہ فام کو

اپنا تو بُس سلام ہے دار السلام کو

لکھنو پہنچ کر میری یاد نے غلطی کی۔ کہ بجائے بارہ بُنکی کے فیض آباد کا نکٹ خرید لیا اور چھ بجے شام کو وہاں پہنچا۔ شب کو سرائے میں قیام کیا۔ صبح کو بھیارہ سے جناب حاجی صاحب قبلہ کا پستہ پوچھا تو اس نے کہا وہ میرے بھی پیر ہیں۔ آپ بہت آگے چلے آئے وہ ضلع بارہ بُنکی میں رہتے ہیں۔ میں اسی وقت فیض آباد سے بارہ بُنکی واپس آیا۔ یہاں یکہ بھی فوراً مل گیا۔ جس نے آٹھ میل کا وہ راستہ تقریباً ایک گھنٹہ میں طے کیا۔ اور ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۱۳ ہجری عصر کے وقت یکہ والے نے یہ مُردہ سنایا کہ دیوبئی شریف آ گیا جب معلوم ہوا کہ منزل مقصود یہی ہے۔ تو عرصہ سے جو دل شوق زیارت میں بے چین تھا۔ دفعتاً مسرور ہو گیا۔ اور دفور مسراحت سے یہ کیفیت ہوئی کہ بیساختہ زبان سے نکلا۔

ایں مقامِ خوش کہ می بخشد نسیمِ وصل یار

خیرِ دارِ حَلَّ فیہَا خیرِ أربابِ الدَّیار

چونکہ میں ناواقف تھا۔ اس لئے یکہ والے نے رہنمائی کی اور آبادی میں جب پہنچا تو ہر چند بعض مکان خام اور خس پوش بھی نظر آئے۔ جن کے دروازوں پر مولیٰ شی بندھے تھے یا کاشتکاری کا سامان رکھا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ایسی عمارتیں بھی دیکھیں جن کی شان

درفت زبانِ حال سے شاہد تھی کہ ان کے مکین مقتدر اور خوشحال ہیں۔ خصوصاً بعض آثار منظہر تھے کہ یہ قصبہ بہت قدیم ہے۔ اور بھی اہل قصبہ ذیجہاد والی ثروت تھے۔ جیسا کہ ایک بلند مقام پر اینوں کاڑ ہیر اور شکستہ دیوار دیکھی جس کو یکہ والے سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ عہد شاہی میں قلعہ تھا۔ اور اسی کے مقابل پختہ اور بہت وسیع سراۓ کا نشان بھی نظر آیا۔ البتہ قصبہ کے باشندوں کو باہم گفتگو کرتے جو سناتور و ہیلکا ہند کی زبان سے بہت فرق پایا۔ خصوصاً الجہہ میں بین تفاوت تھا۔ لیکن یہ کہونگا کہ اودھ کی زبان نرم و شیرین۔ خوشگوار و دل آویز ضرور ہے۔

الغرض تھوڑی دور چلنے کے بعد جب یہ سعادتِ نصیب ہوئی کہ سرکارِ عالم پناہ کے درِ دولت پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ قدیم وضع کا ایک پختہ مکان ہے۔ جس کی سادگی میں ایسا دلفریب جسن نظر آیا۔ اور اس کی عظمت کا وہ اثر دل پر ہوا۔ کہ بلا حاظ مشرب اگر یہ کہون تو بیجا نہ ہوگا۔

کاخیست سرِ خاک بنا گشتہ و در قدر  
بر کنگرہ چرخ گلاہ سرمه شد

سامنے جا کر یہ بھی دیکھا کہ اس آستانہ وارثی کا باب صدر مشرقی سمت متوسط پیکاںہ کا مگر انتیازی شان رکھتا ہے اور اس کے آگے وسیع صحن ہے۔ جس میں دروازہ کے شمالی پہلو کے قریب چاہ پختہ۔ اور جنوب کی طرف کمرہ جس کے آگے سائبان اور اوپر بالا خانہ ہے۔ اور اگر بعض اشخاص اس کمرہ میں بیٹھتے ہیں تو بعض کسی ضرورت سے یا بخیالِ تفنن طبع صحن میں کھڑے ہیں۔ جن میں دو تین آدمی تو خدمتی معلوم ہوتے تھے۔ اور کچھ لوگ دیہاتی طرز کی دھوئی باندھے اور کرتے پہننے تھے۔ جو شاید کاشتکار یا زمیندار ہوں گے۔ اور چند اشخاص کے مہذب لباس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ معزز و ممتاز افراد ہیں۔ لیکن ان میں بھی یہ تفریق ضرور تھی کہ قدیم وضع کا لباس یعنی انگر کھا اور پائچا جامہ اگر کسی کے زیب جسم تھا تو بعض شیر و انی اور تر کی ٹوپی

پہنے تھے۔ جن کی وضع یہ کہتی تھی کہ یہ مغربی تہذیب سے آگاہ ہیں۔ اور مختلف مقامات کے باشندے ہیں۔

مکو زیادہ حیرت اس وقت ہوئی کہ اس مجمع کے بعض بزرگ صورت حضرات کا لباس اپنی وضع میں بالکل جدا گانہ دیکھا۔ کہ انہوں نے ایک عریض اور نگین کپڑے کے نصف حصہ سے ستر پوشی کی تھی۔ اور نصف حصہ اس کا بطور چادر کے اوڑھے تھے۔ اور نگین سر اور پا برہنہ ہونے کی وجہ سے وہ دیندار سر اپا آزاد اور تعلقات دنیا سے بے سروکار معلوم ہوتے تھے۔ میں نے ان بزرگوں کے مقدس لباس اور مخصوص امتیاز سے یہ اندازہ کیا کہ شاید حاجی صاحب قبلہ کے یہ فقیر ہیں۔

غرض میری ناؤاقیت گواجاڑت نہیں دیتی تھی۔ مگر ٹھکلتا ہوا جب قریب دروازہ کے پہلو نچا تو جو لوگ وہاں موجود تھے۔ وہ میری ابھی صورت اور میرا مسافرانہ اسباب دیکھ کر میری جانب مخاطب ہوئے۔ میں نے سلام کیا تو نہایت اخلاق سے انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور محبت آمیز لہجہ میں میری حاضری کا سبب دریافت کیا۔ میں نے عجلت میں اسیقد رکھا کہ قدموسی کو آیا ہوں۔

چنانچہ میری خواہش معلوم ہونے کے بعد ایک صاحب اس دروازہ کے اندر گئے اور چند منٹ میں واپس آ کر مجھ سے کہا کہ چلو تم کو بلایا ہے۔ اس مختصر جملہ سے کہ ”چلو تم کو بلایا ہے“ ایسی صرفت ہوئی کہ بے اختیار دل نے لبیک کہا۔ اور یقین ہو گیا کہ میری دیرینہ آرزو آج پوری ہو کر رہیگی۔

جب ان کے ہمراہ چلا تو صدر دروازہ کے پہلے ایک ایسی مسقف ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ جس میں ایک دروازہ درمیانی اور ایک آخر میں تھا۔ اس کے اندر گیا تو دیکھا کہ کشادہ صحن کے جنوبی سمت کمرہ اور اس کے آنے گئی در کا والاں ہے۔ جس میں زمین کے فرش پر نہایت سادہ مگر امتیازی طور پر ایک گذابچا ہے جس پر ایک مقدس بزرگ رنگین احرام باندھے رونق افروز

ہیں۔ جن کا نور انی چہرہ اور پر سطوت آنکھیں دیکھ کر خود بخود دل کو یقین ہو گیا کہ ”خدا نما ہے خدا کی قسم یہی صورت“۔

ہر چند رعب عظمت سے دل مروع ب تھا۔ مگر کشش سن کا وہ گہرا اثر ہوا کہ پروانہ دار اس شمع جمال ایزدی کے قریب جا کر بکمال ادب قد مبوس ہوا۔ فرمایا ”کہاں سے آتے ہو؟“ میں نے دست بستہ عرض کیا کہ پھر ایون ضلع مراد آباد سے۔ ارشاد ہوا کہ ”ہاں پھر ایون امروہ سے دس کوں اور سنجھل سے بیس کوں ہے۔“ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں اس قدر ہے۔ پھر حضور نے ایک ضعیف تہبند پوش خادم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ”ریشم شاہ اس بستی کے رہنے والے کسی سے نہیں ڈرتے“۔ اور مجھ سے ارشاد ہوا۔ ”اچھا ٹھہر و۔ پھر ملاقات ہو گی“۔ اور دوسرے خادم سے یہ فرمایا کہ ”فیضو شاہ ان کو درگاہ میں ٹھہر اد و۔“

فیضو شاہ دالان سے باہر میرے ساتھ اس مقام تک آئے۔ جہاں اپنا اس باب چھوڑ گیا تھا۔ میں نے اس میں سے شیرینی اور عطر نکالا جو حسب ہدایت والد مرحوم لے گیا تھا۔ اور وہ ناچیز ہدیہ حضور کے سامنے پیش کیا۔ جناب حضرت نے اس میں سے نصف لذو تناول فرمایا اور اپنا اُلش نصف لذو بکلو مرحمت ہوا۔ اور بقیہ حاضرین کو تقسیم کر دیئے گئے۔

پھر فیضو شاہ صاحب مجکو اس مکان میں لائے جو درگاہ کے نام سے موسم اور آستانہ وارثی سے تقریباً سو گز کے فاصلہ پر تھا۔ یہ درحقیقت ایک خانقاہ تھی اور درگاہ کے نام سے اس لئے مشہور ہے کہ شاہ ولایت حضرت محمد عبد المعمم قادری گنج المعرفت قدس اللہ سرہ العزیز کا یہاں مزار اقدس ہے جس کے سجادہ نشین اس وقت شاہ فضل حسین صاحب تھے۔ جن کو علاوہ اس شرف کے جناب حاجی صاحب قبلہ کی غلامی۔ اور خدمت کا مخصوص اعز از بھی حاصل تھا۔

درگاہ میں اس باب رکھ چکا تو اس وقت فیضو شاہ صاحب سے اپنی دلی تمنا کا اظہار کیا کہ حلقہ غلامان وارثی میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ فیضو شاہ صاحب پھر

مکلو آستانہ داری پر واپس لائے۔ اور جب دالان کے قریب ہو نچا تو سنا کہ سرکار عالم پناہ نے ایک خادم سے (جن کا نام بعد کو معلوم ہوا کہ قاضی بخشش علی تھا) فرمایا کہ ” یہ خانصاحب پھرلوں سے مرید ہونے آئے ہیں“۔ قاضی صاحب نے مکلو دیکھ کر عرض کیا کہ لجئے وہ خود آگئے۔ اور ادھر فیضو شاہ نے دیہاتی لہجے میں عرض کیا۔ ”خوریہ مرید ہونے کو کہت ہیں“۔ اس رہنمائے کامل نے یہ بندہ نوازی فرمائی کہ اسی وقت میری دشمنی کی اور ارشاد ہوا کہ ”کہو ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا۔ پختن پاک کا۔ خدا رسول کا۔“ استغفار اللہ ربی من کل ذنب و خطیہ و اتوب الیه“ میں نے حرف بحرف ہر جملہ کا اعادہ کیا۔ بعدہ ارشاد ہوا ”جا و ٹھہرو۔ مرید ہو گئے۔“

میں قد مبوس ہو کر پھر درگاہ میں آیا۔ اور اپنے بستر پر لیٹ رہا۔ مگر یہ تخیل ہوا کہ حسب ہدایت والد مرحوم مرید تو ہو گیا۔ لیکن پیر صاحب شاید بیعت لینا نہیں جانتے۔ کہ عام جاسہ میں مرید کیا۔ کیونکہ قبل اس کے دیگر بزرگوں کو خلوت میں مرید کرتے دیکھا تھا اور اسی کو میں صحیح طریقہ بیعت جانتا تھا۔

میں اس تو ہم میں بتلا تھا کہ ناگاہ شاہ فضل حسین صاحب نے (جور و ضہاء النور کے چبوترہ پر ایک مولوی صاحب سے بتیں کر رہے تھے) مکلو پکارا میں فوراً حاضر ہوا تو صاحب مددوہ نے ناصحانہ لہجے میں فرمایا کہ خانصاحب تم نے فقیر دیکھنے نہیں ہیں۔ البتہ تمہارے والد جانتے تھے۔ جو تم کو یہاں بھیج گئے۔ خانصاحب یہاں اصل فقیری ہے اور صحیح طریقہ بیعت بھی ہی ہے۔

موصوف الصدر کی اس تقریر کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔ اور دفعتا وہ خدشات باطلہ میرے قلب سے رفع ہو گئے۔ اور اب یہ خیال ہوا کہ جب یہاں کے مرید کا یہ حال ہے کہ میرے خواطر پر مطلع ہو کر آن واحد میں تصفیہ باطنی کیا۔ تو پیر کی کیاشان ہو گی۔ اور اپنے غلاموں کی اصلاح وہ کس خوبی سے کرتے ہوں گے۔ واقعی فضل الہی شامل

حال تھا کہ مجھ پر گناہ کو ایسے حقائق آ گاہ کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ جو درحقیقت فقیرِ اکمل اور مرشدِ لاثانی ہے۔ بلکہ نادم ہوا کہ جب میرے مانی اشیاء سے اسی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ خبردار ہیں تو۔ ع۔ اب منہ دکھانے کی کوئی صورت نہیں رہی۔

بلکہ مجاہدِ تحریک کر شاہ صاحب نے فرمایا کہ خان صاحب تم نے جو خواب دیکھا تھا وہ سانپ یہی تھا رے خیالات ہیں۔ اور چاقو ہماری یہ نصیحت ہے۔ یہ سنکر میرا خیال اور پختہ ہو گیا۔ کہ لا ریب یہ بڑی جگہ ہے۔ اور اس بارگاہ عالیٰ کے غلام ایسا بلند مرتبہ رکھتے ہیں کہ جب ارادت کا صرف خیال تھا۔ اس وقت سے یہ لوگ میرے مدد و معاون ہیں لیکن افسوس میری نادانی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس وہم باطل نے ایسا ذلیل کیا کہ جس کی تلاشی اب ناممکن معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ خجالت سے سر جھکا لیا۔ اور شاہ صاحب کے سامنے سے شرمندہ ہو کر اپنے بستر پر آیا۔ ہر چند شوق زیارت نے بار بار تحریک کی مگر وفور نداشت سے پیشوائے برحق کے حضور میں حاضر ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور شام تک یہ حالت رہی کہ جب اپنا قصور یاد آیا۔ تو مغموم ہوا۔ اور ان کی کریمانہ بخشش کا خیال ہوا تو عفو تقدیر کی امید میں یہ عرض کرتا تھا۔

اے شہنشاہ بلند اختر خدارا ہم  
تابوسم ہچو گردون خاکِ ایونِ شما

قریب مغرب پھر صاحبِ مدد و القدر نے فرمایا کہ خان صاحب تم سرکار میں کیون نہیں گئے۔ میں نے عرض کیا کہ اپنے خیالِ فاسد کی وجہ سے خائف اور نادم ہوں۔ اور اپنی مذموم غلطی کے باعث سمجھتا ہوں کہ اب اس پاک اور مقدس ذات کے سامنے جانے کے لاائق نہیں رہا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ خان صاحب مایوس نہ ہو۔ ہم لوگ

ذرہ صفت اور وہ باعظمت اور آفتاب منزلت ہیں۔ ہم کو مثل تالاب کے سمجھو جو تھوڑے پانی میں ابیل پڑتے ہیں۔ ان کو بحرِ ذخیر ناپیدا کنار جانو۔ ہم خطاط شعار ہمیشہ نافرمانی کرتے ہیں مگر وہ اپنی مہربانی سے درگز رفرماتے ہیں۔ تمہاری غلطی کا داغ تمہارے اس آب ندامت نے دھو دیا۔ اب نہ ڈرو جاؤ۔ اور ضرور جاؤ۔ اور مطمئن رہو۔ امید ہے کہ وہ بندہ نواز ضرور تمہاراقصو نظر انداز فرمائیگا۔

مجنوں پسے شفیق ناصح کے اس ارشاد سے یہ ہمت بندھی کی لرزان و تسان آستانہ وارثی پر حاضر ہوا۔ اور قصور و ار غلام کی حیثیت سے قدموی کی۔ اس وقت جناب حضرت نے یہ شان محبو بیت دکھائی۔ کہ متینم ابون سے فرمایا ”صحیح کو چلے جانا۔“ میں نے بکمال ادب یہ عرض کیا کہ ابھی جانے کو دل نہیں چاہتا آئیندہ جو حکم ہو۔ حضور خاموش ہو گئے اور پھر پانچ روز تک آستانہ اقدس پر حاضر ہا۔

جب حضور نے رخصت فرمایا تو ارشاد ہوا کہ ”شوال میں شاہ ولایت کے عرس میں آنا۔“ چونکہ اس عرصہ میں مجنوں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ میلہ کا تک جو سر کار عالم پناہ کے حکم سے قائم ہوا ہے اس کو صرف پندرہ روز باقی ہیں۔ اور شوق کا تقاضا تھا کہ جلد حاضر ہوں۔ اس واسطے دست بستہ عرض کیا کہ حضور تمبا یہ ہے کہ اس غلام کو میلہ میں طلب فرمائیے۔ جناب حضرت نے شاید میری مالی حالت کے لحاظ سے پھر وہی فرمایا کہ ”شوال کے عرس میں آنا۔“ اور میری زبان سے اضطراری حالت میں پھر وہی نکل گیا کہ بندہ نواز اس غلام کو میلہ میں طلب فرمائیے۔ چنانچہ اس مرتبہ اس جامع حلم و کرم نے عجیب شان سے مسکرا کے یہ فرمایا کہ ”اچھا۔ جاؤ۔ ضرور میلہ میں آنا۔“

میں قدموں ہو کر سارِ جمادی الادلی کو بچھرایوں واپس آیا۔ اور اسی روز سے دوسرے سفر کے لئے انتظام کرنے لگا۔ ہر وقت یہی خیال تھا کہ اس جمال جہان آرا کی دید کب

نصیب ہو۔ خصوصاً جب دو تین دن روائی کے باقی رہے۔ تو اضطراب کی یہ حالت تھی کہ ایک ساعت ایک دن اور ایک دن ایک سال معلوم ہونے لگا۔ بقول۔

ماہم این ہفتہ شد از شهر و پنجم سالیست

حال بحران تو چہ دلی کہ چہ مشکل حالیست

آخر دن بھی آگیا کہ معمولی اسباب لیکر پھر ایون سے روانہ ہوا۔ اور ۱۳۱۲ءیں ہجری کو جو افتتاح میلہ کی تاریخ تھی دیوبئی شریف پہنچ گیا۔ اور بعد حصول سعادت قد مبوی مجبو حکم ہوا کہ ”درگاہ میں قیام کرو۔“ کیونکہ یہ امر خصوصیات عادات میں ہے کہ حضور نے وضعداری کا لحاظ ہمیشہ فرمایا۔ جس کا ذکر آپ کے ملفوظات میں بوضاحت منقول ہے۔ اور چونکہ مزاج ہمایون کا انداز یہی تھا اس لئے غلامون کو بھی متواتر وضعداری کی ہدایت ہوئی۔ بلکہ جس نے کسی امر میں اگر پابندی کی تو اس سے آپ خوش بھی ہوئے۔ اور اس کو وضعدار کا خطاب بھی مرحمت ہوا۔ اور خود تو وضعداری کو اس درجہ پسند فرمایا تھا کہ اگر کوئی معمولی بات بھی کبھی وقوع پذیر ہوئی تو اس کے لئے یہ اہتمام ہوتا کہ آئندہ جب اس کا موقع آیا تو اس کو اسی صورت سے کیا جاتا تھا جس شکل سے وہ ابتداء میں ہو چکی ہے مثلاً کسی شہر یا قصبے میں جس کے مکان پر آپ پہلی مرتبہ قیام پذیر ہوئے۔ پھر ہمیشہ کے واسطے یہ دستور ہو گیا کہ جب وہاں تشریف لے گئے تو اس کے مہمان ہوئے۔ بلکہ دیہات کی سیادت میں یہ دیکھا ہے کہ کسی درخت کے سایہ میں کبھی قیام یا استنجہ کیا کسی کوئی کاپانی نوش فرمایا۔ توجہ اس راستے سے گذر ہوا تو اسی درخت کے سایہ میں ضرور تھے۔ یا استنجہ کیا۔ یا اس کوئی کاپانی قلیل ہی سہی مگر نوش فرمانا لازمی تھا۔ یا جس کسی کے ساتھ جو مراعات ایک مرتبہ کی گئی وہ ہمیشہ اس موقع پر کی جاتی تھی۔ علی ہذا آستانہ اقدس پر جو مہمان آیا۔ اور جس کے قیام کے واسطے جو جگہ پہلی مرتبہ تجویز ہوتی تھی۔ پھر ہمیشہ اس مہمان کا قیام اسی مکان میں ہوتا تھا۔ لہذا پہلی مرتبہ چونکہ میں درگاہ میں رہتا اس اعتبار سے میرا استحقاق ہو گیا کہ جب حاضر ہوں

تودرگاہ میں رہوں۔ چنانچہ حسب الحکم درگاہ میں بستر لگایا۔ اور دیکھا کہ بعض اخوان ملت مجھ سے پہلے آپکے ہیں۔ اور بعض میرے بعد آئے۔ حتیٰ کہ میلہ بھر گیا۔ اور ہر طبقہ کے لوگ ۵ ارتارخ تک جمع ہو گئے۔ جسمیں کاشتکار اور ادنیٰ درجہ کے زمیندار بھی تھے۔ اور رئیس اور تعلقدار بھی۔ فقیر و درویش بھی۔ عالم و فاضل بھی۔ وکیل و بیرسٹر بھی۔ اہل عملہ بھی۔ ذپی اور سب نج بھی۔ غرض امیر و غریب بھی۔ ادنیٰ و اعلیٰ جو ق جو ق اطراف و جوانب سے آئے۔ اور آستانہ و اراضی پر ان مختلف مذاق والوں کا ایک مقام پر اور باہمی اتحاد کے ساتھ بغیر کسی امتیاز کے یہ ایسا مخصوص جماعت تھا کہ رنگارنگ پھولوں کا گلدستہ معلوم ہوتا تھا۔

قرینہ ہے کہ جس طرح اس جماعت کے ہر فرد کی ظاہری وجاہت اور حیثیت جداگانہ تھی اسی طرح ان کی واردات اور استعداد باطنی بھی ضرور مختلف ہو گی۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ باوجود اس اختلاف طبائع کے ایک خیال میں یہ پورا جماعت ایسا متحد تھا جس کی نظیر مانا دشوار بلکہ قریب محال کے ہے۔ کہ ہر شخص دنیاوی اغراض سے قطعی محترز اور شمع جمال و اراضی کا پروانہ تھا۔ اور ہمہ تن کو شان تھا کہ کوئی خدمت میں ایسی کروں جس سے حضور مخلوق ہوں۔

چونکہ قبل اس کے میں نے دیکھا نہ تھا کہ کسی بزرگ کے جملہ مرید اس کے ایسے شیفتہ ہوں اور بغیر کسی غرض کے اس کی ایسی خدمت اور دلジョئی کریں کہ ان کی حیثیت سے بہت زیادہ ہو بلکہ سنا بھی نہ تھا کہ فلاں پیر کے تماں حلقة بگوش اس کے فریفہ ہیں۔ اور صرف خوشنودی مزاج سب کا نصب لعین ہے۔ اسواسٹے غلامان و اراضی کی یہ محییت دیکھ کر مجنو حیرت ہوئی اور اس نظارہ سے میرے فہم و ادراک میں اس قدر اہتزاز بھی ہوا کہ سکون قلب میں گونہ اشتعال اور طبیعت میں خود فتنگی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ مگر شوق میں یک سوئی ضرور پیدا ہو گئی کہ خبر جمال و اراضی کوئی دوسری صورت تسلیم نہیں اور دل آؤز نہ رہی۔ بقول

بخت خواب آلو دمابیدار خواہد شد مگر

زانکہ زد بر دیدہ آبے روئے رختان شا

اور دل میں خواہش یہ پیدا ہوئی کہ اپنے یوسف جمال پیشوائے کے جان شمار غلامون میں اگر میرا بھی شمار ہو جائے تو بیڑا پار ہے۔ ہر چند عاشقان سرفروش کی مثل بے خود و مدد ہوش ہو جانا تو بجھے افردہ دل کے لئے نامکن و محال ہے۔ لیکن در دولت کا جاروب کش بھی ہو جاؤں تو یہ موقع ہاتھ آئے کہ خاک پائے محبوب کو محل البصر بناؤں۔ بقول

گردست دہ دخاکِ کفِ پائے نگارم

بر لوح بصر خط غبارے بنگارم

اس اہتزاز کا ظاہری نتیجہ یہ ہوا کہ بعض حرکات خلاف عادت ایسے بھی سرزد ہوئے کہ جن کے قوع سے خود بکو شرم و ندامت ہوتی تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ کیفیت ہو گئی کہ جس چیز کو حضور کے ساتھ منسوب پایا اس سے دلستگی ہوتی تھی۔ چنانچہ ۱۵ ارتارٹخ کو میلہ دیکھنے شاہ اویس گیا یہ مقام آستانہ وارثی سے قریب دو فرلانگ کے ہے۔ علاوه دیگر تماشوں کے وہاں یہ کر شمش بھی دیکھا کہ ایک ارادتمند حضور کی خدمت میں تہبیند پیش کرنے جاتا ہے۔ مگر شان یہ ہے کہ باجہ اور قوالی کے علاوہ ہزاروں آدمیوں کا مجمع بھی ہمراہ ہے۔ چونکہ اس مجمع کو حضور سے خاص نسبت تھی لہذا بھکو بھی دلچسپ معلوم ہوا۔ اور تہبیند کے ساتھ جب قریب آستانہ اقدس پہنچا تو دفتار یہ ہوش آیا کہ تم سرفروش غلامون کے دوش بدش رہنے کی متنی بھی ہوا اور بلحاظ مشرب اس کا بھی دعویٰ ہے کہ۔

من قبلہ راست کردم بر سمت خوش ادائی

عريان سرے چو ماہ و شوئے برہنہ پائی

لیکن یہ نہیں سو جھتا کہ ارض پاک پرجوته پہنکر چلنا۔ اور پیشوائے برق کے حضور میں ٹوپی پہنکر جانا صریح بے ادبی اور بہت بڑا قصور ہے۔

چونکہ افضال وارثی شامل حال تھا۔ میرا یہ خیال پختہ ہو گیا۔ اور اسی وقت جو تجھی

وہیں چھوڑ دیا اور ٹوپی بھی پھینکنے لگی۔ اور اس مجمع کے ہمراہ سرکار عالم پناہ کے حضور میں

حاضر ہوا۔ اور جب وہ تہبند پیش ہو گیا۔ تو میں اسی بہیت کذائی سے درگاہ آیا۔ شاہ فضل حسین صاحب سے اپنی انتشاری کیفیت اور اضطراری حالت بیان کی۔ کہ اب انتظار کی طاقت نہیں۔ دل بیقرار کا بار بار بھی اصرار ہے۔

بزن بنسگ ملامت زجا جهنا موس

بکوی عشق بریز آب روی تقوی را

لہذا حسب ہدایت والد مرhom پہلے سے بھی مصمم ارادہ تھا۔ لیکن آج مستقل طور پر یہی تمنا ہے کہ سرکار عالم پناہ کا فقیر ہو جاؤں۔ گوئر کے لحاظ سے مخلوق تجربہ بہت کم ہے۔ مگر روزمرہ کے واقعات دیکھ کر کہ دنیا بے ثبات اور تعلقات دنیا بیکار بلکہ باعث آزار ہیں  
بقول

جہان و کار جہان جملہ یعنی دریچ است

ہزار بار من این نکتہ کرده ام تحقیق

شاہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ ہنوز عنقاون شباب ہے۔ تہبند پوش ہونے کا ارادہ نہ کرو۔ لیکن جب میں نے اصرار کیا تو مددوح نے رحیم شاہ صاحب کو بلا کر کہا کہ یہ تہبند کے طبلگار ہیں۔ وہ سرکار میں گئے۔ اور واپس آ کر کہا کہ حضور فرماتے ہیں کہ ”ابھی نہیں یہڑ کے ہیں۔“

یہ پچشنبہ کا واقعہ ہے کہ میری درخواست بارگاہ وارثی میں نامنظور ہوئی۔ تو مالیوس ہوا۔ لیکن اضطراب قلب سے تمام شب بیقرار رہا۔ کبھی والد مرhom کی برزخ قائم ہو گئی۔ تو انے عرض کیا کہ یہ عبد ذیل ہنوز آپ کی ہدایت کی تعمیل نہ کر سکا۔ مجبور ہون کہ سرکار عالم پناہ منظور نہیں فرماتے۔ اور کبھی بکمال خضوع حضور اقدس سے رجوع کی۔

منتظر ازابہ لب آمد نفس

اے ز تو فریاد تو فریاد رس

بادشاہ۔ تو پختن پاک کایا دگار اور قائم مقام ہے۔ اور وارث عالم تیرانام ہے۔  
تیرے چشمہ فیض و انعام سے خاص و عام ہمیشہ فائز المرام ہوئے۔ لیکن افسوس یہ غلام شومی  
قسمت سے ہنوز محروم و ناکام ہے۔ بقول۔

بست شکر بہ متان دادو چشمت منے بہ مینواران

منم کز غائیت حرمان نہ با آنم نہ با اینم

حتیٰ کہ جمعہ کا دن اسی حالت میں گذر اکہ ننگے سر پا برہنہ پریشان پھرتا رہا۔ مگر  
آٹھ بجے شب کو بخت خوابیدہ بیدار ہوا کہ رحیم شاہ صاحب آئے۔ اور شاہ فضل حسین  
صاحب سے کہا کہ بھائی وہ خان صاحب کہاں گئے۔ سرکار ان کو بلا تے ہیں اس وقت میں  
جنوبی والان میں کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ کہ یہ مژدہ شکر مسرور ہو گیا۔ اور دل میں کہا  
کہ بڑا خوش نصیب ہون کے میرے بندہ نواز نے مجکو یاد فرمایا۔ بقول۔

شکر خدا کہ از مدد بخت کار ساز

بر حسب مدعا ست ہمہ کار و بار دوست

اسی وقت شاہ فضل حسین صاحب نے مجکو بلا کر فرمایا کہ تہبند لیکر جاؤ۔ میں فوراً  
تہبند معہ لنگوٹ اور رو مال کے لیکر بارگاہ وارثی میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ کرہ میں حضور کے  
پاس رحیم شاہ۔ نور محمد شاہ۔ قاضی بخشش علی۔ اور بادشاہ حسین خان حاضر ہیں۔ میں نے  
تہبند پیش کیا۔ جناب والا نے وہ تہبند زیب جسم فرمایا۔ اور اپنا مستعمل تہبند و لنگوٹ مجکو  
مرحمت فرمائی کہ ارشاد ہوا کہ ”باندھ لو“۔ اور نور محمد شاہ سے خطاب ہوا کہ ”ان کو لنگوٹ کی  
گرہ بتا دو“۔ چنانچہ جس وقت وہ لنگوٹ اور تہبند باندھ کر قدموں ہوا تو ہیئت حق سے مجکو  
پسینہ آ گیا۔ حضور نے تسمیہ فرمایا۔ اور ارشاد ہوا کہ ”بادشاہ حسین یہ فقیر کا بیٹا ہے۔ یہاں  
اگر نہ آتے تو قیامت میں کھنچے پھرتے۔ آج سے اس کا نام او گھٹ شاہ ہے“۔ اور مجھ سے  
نمطاب ہو کر فرمایا۔ ”سوال نہ کرنا۔ اور موٹھ ہے۔ کری۔ تخت۔ پلنگ پر نہ بیٹھنا۔

اور پھر اجون میں اپنے باپ کی قبر پر رہنا۔ اور کہیں نہ جانا۔ جب آ تو یہیں آؤ۔ کسی کے  
مرکان پر بیٹھنہ رہنا۔”۔ پھر حیم شاہ سے مطالب ہو کر فرمایا کہ۔ ”ان کو تعلیم کرو۔“۔ حیم شاہ  
نے عرض کیا کہ میں اس لائیں کہاں۔ تب حضور نے مجھ سے فرمایا کہ۔ ”جاو تم کو تعلیم کی  
ضرورت نہیں۔ تم فقیر کے بیٹے ہو اور اب ہمارے فقیر ہو گئے۔“۔ اور پھر اسی جملہ کو بادشاہ  
حسین خان سے بھی یون فرمایا کہ۔ ”یہ فقیر کے بیٹے ہیں اور اب یہاں فقیر ہو گئے۔ ان کو  
رموز فقیر کی تعلیم ضروری نہیں۔ ان سے خطابی نہ ہوگی۔“۔ اور مجھ سے ارشاد ہوا۔ ”جاو محبت  
رکھنا وہاں تو بہت مرید ہیں۔“۔ میں قدموں ہو کر درگاہ میں آیا۔ تو مجھے تہبند پوش دیکھ کر شاہ  
فضل حسین صاحب بہت خوش ہوئے۔

معجم کو حاضر ہوا تو عرض کیا کہ والد کی قبر ایک غیر آباد مسجد کے احاطہ میں ہے۔  
حسین جھرہ بھی نہیں۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا۔ ”کہ کوئی رہے یا زر ہے تم جا کرو ہیں رہو۔  
اور وہی تمہارے لئے جھرہ ہے۔ جس وقت جھرہ بن جائیگا۔ بن جائے گا۔ کوئی نہیں روک سکتا  
ہے۔“۔ اور بعد چند ساعت کے ارشاد ہوا۔ ”اب جاؤ۔ سیر کرو۔“۔

اس فرمان داری کے آخری حصہ کا مفہوم میں یہ سمجھا کہ سیر کرنے سے تماشاد کیخنا  
مقصود نہیں۔ بلکہ مشاہدات خلق سے معلومات حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ اس روز میں نے یہی  
کام کیا۔ کہ پہلے معرفت رائے داری سے ملا۔ اور گہری نظر سے ان کا طریق معاشرت دیکھا۔  
اور ان کے نصائح بگوش دل نے۔ اور ان سے سرکار عالم پناہ کے وہ حالات و واقعات معلوم  
ہوئے جو میرے واسطے مکمل دستور اعمل کا حکم رکھتے تھے۔

علی ہذا ایسے اخوانِ ملت سے بھی ملاقات ہوئی جن کوقدامت کا شرف حاصل  
تھا۔ اور حاضر باش تھے۔ ان سے آستانہ اقدس کے وہ قواعد معلوم ہوئے جن کی تعییں  
حاضرین کو مفید اور لازمی تھی۔ اور اوقات حاضری اور خدام خاص کے نام بھی انہیں  
نے بتائے۔ اور انہیں نے خوشنودی مزاج کے ظاہری طریقے سمجھائے۔ اور وہ امور جو

مشربی ناز سے منوع تھے ان سے بھی آگاہ کیا۔

غرض اس تبادلہ خیالات سے مجھے کسی قدر مشربی معلومات بھی ہو گئی۔ اور اس کا اندازہ تو بخوبی ہو گیا کہ طریق وارثی عین عشق اور غلامان وارثی کا سرمایہ نا صرف محبت ہے اور جملہ حلقہ بگوش بقدر حیثیت واستعداد محبت کا جوش ضرور رکھتے ہیں۔ اور ان کی ترقی ان کے اخلاص پر منحصر ہے۔ بلکہ ان کے ریاضات و عبادات بھی اصولاً محبت ہی سے مانوذ ہیں۔

الفرض سترہ تاریخ کا پورا دن برادران طریقت کی ملاقات و صحبت میں گذر رہا۔ بعد مغرب دیکھا کہ بارگاہ وارثی میں غیر معمولی روشنی ہے اور مخصوص ارادتمند مجتمع ہیں۔ تحوزے عرصہ میں حضور اپنے اسی بستر پر بیٹھ گئے۔ اور آپ کے سامنے چند منٹ قوالی ہو کر حضرت سید قربان علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کا قتل ہوا۔ اور مابعد آشیانی چھوٹی جس کا مفہوم یہ تھا کہ میلہ ختم ہو گیا۔

رات کو میں درگاہ میں آ کر سورہ ہـ۔ صبح کو آستانہ القدس پر حاضر ہوا تو دوسرا منتظر تھا کہ کوئی اپنا اسباب باندھنے میں مصروف۔ کوئی سواری کے لئے کوشان۔ غلامان وارثی اپنے آقائے ذی مرتبت سے رخصت ہو کر جوق جوق آرہے ہیں۔ اور آپس میں ملکر ایک دوسرے کو الوداع کہتا ہے۔

حتیٰ کہ بھجو بھی نور محمد شاہ خادم خاص نے رخصت کرایا۔ اس وقت ارشاد ہوا۔ ”ان کو کہہ داؤں کے لئے دام دیدو۔“ خادم نے چار آنہ بھجو دیئے۔ پھر فرمایا کہ۔ ”روم کے لئے بھی پیسے دیدو۔“ چنانچہ چار آنہ روم کی واسطے بھی پائے۔ پھر ارشاد ہوا کہ ”تمہارے مکان سے ریل کتنی دور ہے۔“ میں نے عرض کیا کہ میں کوں۔ اور اونٹ گاڑی سے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ ”اونٹ گاڑی کا کرایہ بھی ان کو دیدو۔“ غرض نوآنہ کرایہ گاڑی بھی بھجو مل گئے۔ اور قدموں ہو کر رخصت ہوا۔

مراد آباد میں آ کر رومال لے لیا۔ اور کہڑا اون بھی خرید کی۔ لیکن کھانے کے  
واسطے ایک پیسہ بھی نہیں دیا گیا تھا۔ اس لئے تیرا فاقہ تھا۔ جو پھر ایون پہنچا۔ اور  
بوجب ہدایت سید ہا مسجد ہر اب شاہ میں گیا۔ یہ مسجد بستی کے باہر اور شکستہ ہونے کی وجہ  
سے غیر آباد تھی۔ جس کے افتادہ حصاء میں دروازہ بھی نہ تھا۔ صحن میں بکثرت گہانس اور خود  
ردد رخت تھے۔ اس خوف سے نہ کوئی اس میں نماز پڑھتا تھا۔ نہ اذان ہوتی تھی۔ مگر میں  
نے جا کر پہلا کام یہی کیا کہ اذان دی اور خس و خاشک صاف کرنا شروع کر دیا۔

یہاں ایک خدشہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے وارث دارین نے رومال اور کہڑا اون  
کی خریداری اور اونٹ گاڑی کے کرایہ کے واسطے تو ایک روپیہ سے زیادہ مرحمت فرمایا۔ لیکن  
خورد و نوش جوانان کی ضروری حاجت ہے۔ اس کے مصارف کے لئے ایک پیسہ بھی نہیں  
دیا۔ حالانکہ کہڑا اون کا فوراً خرید کرنا چند ان ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ کچھ روز نگے پاؤں  
پھر سکتا تھا۔ علی ہذا اونٹ گاڑی کا کرایہ۔ اس کی بھی ایک فقیر کے واسطے حاجت یون نہ تھی  
کہ پیدل چلتا۔ جیسا بعد میں بارہا ہوا۔ خصوصاً رومال جس کا ہونا اور نہ ہونا مساوی ہے  
۔ لیکن با۔ نہیں ان غیر ضروری چیزوں کا خیال تو اس اہتمام سے فرمایا۔ مگر کھانا جس کا انتظام  
لازمی تھا اور جس پر انسان کی زندگی کا دار و مدار ہے اس اہم حاجت کا لحاظ نہ کیا جس کا نتیجہ یہ  
ہوا کہ تین فاقہ راستے میں اور چار فاقہ پھر ایون پہنچ کر مسلسل ہوئے۔ لہذا اگر یہ کہیں کہ ہوا  
ایسا ہوا تو ہمارے عقائد کے منافی ہے۔ اور اگر عمدًا کہا جائے تو باعتبار بشریت ہم دریافت  
کریں کہ اس میں کیا مصلحت تھی۔

میرا خیال یہ ہے کہ مصلحت وارثی سے کما حقہ آگاہ ہونا تو محال ہے۔ لیکن  
ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مشربی دستور العمل میں پہلی اور لازمی شرط توکل ہے۔  
اور ہر چند متوكل کے جملہ حاجات محول بخدا ہوتے ہیں۔ مگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو  
 حاجات کے بھی اقسام ہیں۔ بعض حاجتوں ایسی ہیں جن کی انسان کو ضرورت تو ہوتی ہے۔

لیکن فوراً ان کا سامان فراہم نہ ہونے سے مضطرب و بیقرار بھی نہیں ہوتا۔ البتہ رزق۔ حیات انسان کے واسطے ایسی مخصوص چیز ہے۔ جس کی ہر فرد بشر کو روزانہ حاجت ہوتی ہے اور یہ حاجت ایسی اہم اور خیالات کو منشر اور متزلزل کرنے والی ہے کہ جس کی تلاش میں اکثر غیر خدا کی بھی استعانت چاہتا ہے۔ اور پھر اس اضطرار سے زمرة متوکلین میں اس کا شمار نہیں رہتا۔ اور اگر فضل الہی شامل حال ہے۔ کہ یہ حاجت پیش آنے پر پائے استقلال کو لغزش نہ ہوئی۔ اور انسان صابر و قانع رہا تو وہی انسان درحقیقت انسان اور صاحب ایمان و ایقان ہے۔ کیونکہ حکم خداوندی۔ ”فَتَوَكَّلُوا عَلَىٰنَا ۖ كُنْتُمْ مُنْهَمِنِينَ“۔ کی وہ تعمیل کرتا ہے۔

ای واسطے پیشوائے برحق نے اپنے فقراء تہبند پوش کو اصل توکل کی متواتر ہدایت فرمائی ہے۔ کہ اپنے پیٹ کے واسطے کوئی انتظام نہ کرو۔ قسمت رازق العبد پر راضی رہو۔ چنانچہ آپ کے ملفوظات میں ہے کہ فقراء کو حضور نے بصرحت اس کی ہدایت فرمائی کہ بیطلب دعوت کا کھانا کھایا کرو۔ جس کا ذکر آئینہ بالتفصیل آیا گا۔

چنانچہ معلم حقیقی نے محض اپنی شفقت سے روز اول وہی سبق مجبود یا جو کتاب لعشق والجہت کا پہلا باب ہے۔ اور جس کو یاد رکھنا واجب اور تمام عمر جس کی تعمیل کرنا میرا فرض عین تھا۔ یعنی پیٹ بھرنے کے واسطے کبھی کوئی چیز خریدنے کروں۔ اور چونکہ قانون مشرب میں یہ شرط قطعی تھی تو ہادی کامل نے میرے واسطے اپنے اس حکم خاص کا عملدار آمد اسی روز سے مناسب تجویز فرمایا۔ جب تہبند دیکر مجبود یوی شریف سے رخصت کیا۔

لہذا میں اپنے آقائے نامدار کے ہزار در ہزار احسانات میں سے پہلے اس احسان کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ہادی کامل نے کیسے خوبصورت پیرا یہ میں سمجھا دیا کہ خورد و نوش کا انتظام مشرب فقراء تہبند پوش کے منافی ہے۔ چنانچہ میرے رازق حقیقی نے مجبو ہمیشہ دعوت کا کھانا کھایا۔ اور اتفاق سے اگر دعوت نہیں ہوئی تو ناقہ نصیب ہوا جو اس کے مطمع تدرست

میں بہت بڑی نعمت ہے۔ اور الحمد للہ کہ آج تک پولہ مہابنے کی نوبت نہیں آئی۔ اور اسکا بھی شکرگزار ہوں کہ پہلے میری دعوت اعزاز اور احباب نے نہیں کی بلکہ ایک غیر شخص کو اسکا خیال ہوا۔ باوجود کہ خاص عزیزوں کو میرا فقیر ہو کر آنام معلوم ہوا۔ مگر کہانا بجاو ایک جو لاءے نے کھلا یا۔ اس سے یہ بھی سبق حاصل ہوا کہ عزیزوں سے اعتماد کا خیال صریح دھوکا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ چار روز سے مسجد میں مقیم تھا۔ اور اس دوران میں کسی سے ملاقات اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ وہاں کوئی آتا تھا۔ اور نہ میں مسجد سے باہر گیا ساتو ان فاقہ تھا کہ عصر کے وقت اذان کی آواز سنکرآلہ بخش نور باف نماز پڑھنے آیا اور مجھ سے دریافت کیا کہ میان صاحب آپ کامکان کہاں ہے۔ میں نے کہا پورب میں۔ لیکن بعد نماز کے جب اس نے بغور دیکھا تو عذرخواہ ہوا۔ اور فوراً جا کر ما مون اشراق میں صاحب سے میرا حال بیان کیا۔ ما مون صاحب نے میرے پنجھلے بھائی ڈاکٹر قمر الدین کو بھیجا۔ جس وقت وہ مسجد میں آئے۔ میں احاطہ کی گھاٹس صاف کر رہا تھا۔ بھائی صاحب نے کہا کہ یہ کیا صورت بنائی ہے۔ اگر ایسی فقیری کرنا ہے تو پچھرائیوں سے نکل جاؤ۔ پہلے تو میں خاموش رہا۔ جب یہ اصرار جواب طلب کیا۔ تو میں نے کہا کہ آپ تشریف لے جائیے۔ مجھے نہ عزت کا خیال ہے نہ ذلت کا ملال۔ بلکہ آپ سے بھی نہ کوئی واسطہ ہے نہ سروکار۔ الحمد للہ کہ قید تعلقات سے رستگار ہو کر اب نگ و ناموس سے گلیتی دست بردار ہوں بقول

ناموس چند سالہ اجدادِ نیک نام

در راهِ جام و ساقی مہر و نہادہ ایم

بھائی صاحب نے فرمایا کہ تم کو شرم نہیں آئی۔ ما مون صاحب بلا تے ہیں۔

گھر چلو۔ آرام سے رہو۔ اس دیران مسجد کا قیام باعث تکلیف بھی ہے۔ اور نام بھی

بدنام ہو گا۔ میں نے کہا کہ بھائی میرے واسطے شاہی سے بہتر اس کو چکی گدائی ہے۔ جب تکلیف و راحت کا احساس نہیں تو پھر نہ آپ کی شخصیت کا پاس ہے۔ اور نہ مامون صاحب کی ثروت سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ ہے۔ ہر چند کہ نہ مجوہ فقر کا دعویٰ ہے۔ نہ متوكل ہونے کا مدعا ہوں۔ البتہ اس ہفتہ میں یہ انقلاب ضرور ہوا کہ پہلے بدر الدین نام تھا اور اب بارگاہ وارثی سے اوگھٹ شاہ خطاب ملا۔ لہذا معاف فرمائیے۔ کہ مامون صاحب کا بھروسہ اس مقدس خرقہ کے خلاف ہے۔

بقول

گرچہ گرد آلو فقیرم شرم بادا زہتم گربا ب پشمہ خورشید دامن ترکنم  
منکه دارم از گدائے گنج سلطانی بدست کے طمع در گردش گردون دون پر درکنم  
بھائی صاحب نے جب یہ بےاتفاقی دیکھی تو مجبور ہو کر واپس گئے۔ اور رات کو اسی نور باف نے میرے دعوت کی۔ اور پھر یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ ہفتہ میں شاید دور و زفاقہ ہوتا ہو ورنہ پانچ روز ضرور دعوت ہونے لگی۔ اور اس دیران مسجد میں رازق العباد نے میری پروردش کا یہ سامان کیا کہ لوگ میری تلاش میں آتے اور بہ اصرار تمام اپنے مکان پر لیجاتے۔ اور کھانا کھلاتے۔ بقول۔

بے مگس ہرگز نماند عنکبوت

رزق راروزی رسان پر مید ہد

لیکن جب سے میرا قیام مسجد میں ہوا۔ اور پانچوں وقت اذان ہونے لگی۔ اور روضو کے لئے پانی بھی بھر دیا کرتا تھا۔ اور خس و خاشاک سے صحن اور احاطہ بھی پاک ہو گیا تھا تو بعض وقت وہ جولا ہے جو مسجد کے قریب رہتے تھے آنے لگے۔ مگر میں نے یہ روشن اختیار کی کہ بستی میں کسی سے ملنے نہیں جاتا تھا۔ بلکہ زیادہ وقت مسجد کی خدمت یا احاطہ کی درستی میں صرف کرتا۔ اگر بہت دل گھبراتا تو جنگل کی طرف سے چہاندے پیر اور لطیف شاہ

اور پھر یا پیر کے مزار پر گیا۔ یا حضرت شاہ ولایت کے آستانہ پر حاضر ہوا۔ اور پھر اسی طرف سے مسجد میں واپس آیا۔ اور شب کو جنوبی در کے سامنے سور ہتا تھا۔

اسی طرح سے جب پانچ ماہ تے زیادہ گذر گئے اور حضرت شاہ ولایت کے عرس کا زمانہ قریب آیا تو میں نے پھر ایون سے خدا کے بھروسہ پر پیدل سفر کیا۔ بتول

بِعْتَمَ بُدْرَقَنَّهُ رَاهُ كَنْ اَيْهَ طَارَقَدَسْ

کَهْ دَرَازَ اَسْتَرَهْ مَقْصِدُهُ مُنْ تَوْسِفَرْمْ

اور بعد قطع منازل ۱۳۱۲ھ روایتی شریف پہنچا۔ پہلے آستانہ وارثی پر حاضر ہو کر قدموں ہوا۔ اور حسب دستور جناب حضور نے وہی فرمایا کہ درگاہ میں قیام کرو۔ چونکہ واقف ہو چکا تھا اس لئے بغیر کسی کی رہنمائی کے میں درگاہ میں آیا اور شاہ فضل حسین صاحب سے ملا۔ شاہ صاحب نے بکمال شفقت مجکوم مہماں کیا۔

چونکہ شاہ صاحب رئیس اور قبیلہ کے نمبردار تھے۔ اور آبائی جائداد و زمینداری آپ کے قبضہ میں تھی۔ اس لحاظ سے موصوف ذی وجہت اور سربرا آور وہ شخص تھے۔ اور یون تو عموماً ہر ایک کام شاندار ہوتا تھا۔ لیکن عرس حضرت شاہ ولایت صاحب ہمیشہ اپنے بہت کشادہ پیشانی سے کیا۔ جس میں باور چیخانہ کا انتظام بہت وسیع پیمانہ پر ہوتا تھا غالباً اُن کے مہماں کے آستانہ وارثی کے بھی جملہ مہماں تا اختتام عرس انھیں کے مہماں ہوتے تھے۔ قطع نظر اس کے رفاعی اور سہروردی آزاد فقراء کی کثیر جماعت آتی تھی۔

جس کے ہر فرد کو حسب دستور و دکھانے روزمرہ دینے جاتے تھے۔ اور جملہ دو کانڈاروں کو کھانا ملتا تھا۔ اور بطور تبرک بستی کے تمام مسلمانوں کو کچڑی تقسیم ہوتی تھی۔ اور بعد پانچ روز کی مہمانداری کے ۱۶ ارتارخ کو بھندڑارے کی ایک تقریب ایسی معین ہے۔ جس کا صرف بھی کم نہیں ہر چند یہ بھندڑارا انھیں آزاد فقراء کے لئے ہوتا ہے۔ مگر یہ دیکھا کہ حسب مدارج اُن کے ھنوں کی تعداد بھی معین تھی۔ کسی کو دس کسی کو پانچ کھانے دینے جاتے تھے۔ علی ہذا قال

بھی زیادہ آتے تھے۔ اور انکا بھی بجائے خود ایک معقول خرچ تھا۔  
 حالانکہ بظاہر شرکت عرس کے لئے حاضر ہوا تھا۔ مگر مقصود میرا صرف حضرت  
 وارث پاک کی زیارت تھی۔ اور وہ نصیب ہوئی۔ بلکہ اس موقع پر بعض ایسے اخوان ملت  
 سے بھی ملاقات ہو گئی۔ جن سے پہلے نہیں ملا تھا۔ اور یہ تو روز دیکھتا تھا کہ بلا قید مذہب  
 پروانہ وار لوگ آتے تھے اور حلقہ غلامی میں داخل ہوتے تھے اور انکی استعداد کے لحاظ سے  
 انکو ہدایت بھی ہوتی تھی۔ اگر کسی کو پیشوائے برحق نے ذکر و شغل کا کوئی قاعدہ تعلیم فرمایا تو  
 کسی کو حفظ اوقات کی تاکید ہوئی۔ کسی کو گوشہ نشین کیا کوئی سیاحت عرب کے لئے بھیجا گیا۔  
 لیکن محبت کی ہدایت ہر فرد کو ضرور ہوتی تھی۔

جب عرس ختم ہوا۔ تو حضور نے ارشوال کو مجھے بھی رخصت فرمایا۔ اور ارشاد ہوا  
 کہ ”میلہ میں آنا“۔ میں دیوی شریف سے پچھرا یون آیا۔ اور بدستور سابق مسجد میں قیام  
 کیا۔ اور چھ ماہ کے بعد بغرض شرکت میلہ کا نکل پچھرا یون سے پیادہ پا چلکر ۱۳۵۱ھ جمادی  
 الاول ۱۳۵۱ھ کو دیوی شریف حاضر ہوا۔

اس مرتبہ ایک کرشمہ یہ دیکھا کہ بعض حلقہ بگوش ایسے بھی آئے تھے۔ جن کا  
 ظاہری مذہب عیسوی تھا۔ اور بعض یہودی بھی نظر آئے۔ بلکہ ایک آتش پرست مسمی  
 ڈوسابھائی بھی اسی رزلف وارثی دکھائی دیا۔ لیکن اصولاً سب کا شرب چونکہ عین محبت  
 تھا اس لئے باہمی اتحاد میں کوئی تفریق نہ تھی۔ جس طرح مسلمان محو نظارة جمال وارثی  
 تھے۔ اسی طرح ہندو۔ عیسائی۔ یہودی۔ پارسی۔ پروانہ صفت اُس شمع بزم احادیث پر  
 نثار ہوتے تھے۔ بقول

مسلمان و ہندو و تر ساؤ گبر	زخاک درت جملہ افر کنند
چوکا فور و صندل ازان خاک پاک	پچشم اندر آرندر دبر سر کنند
اور پیشوائے برحق کی عنایت سب کے حال پر یکسان تھی اس طبیب باطنی نے	

جس کے مرض کے مناسب جو نسخہ تجویز فرمایا۔ وہ اس کو تفویض ہوا۔ چنانچہ میرے حق میں ۱۸ ارتارخ کو سرکار عالم پناہ نے یہ ارشاد فرمایا۔ ”تم پھر ایون نہ جاؤ۔ بلکہ اناوہ میں جا کر دریا کے کنارے رہو۔ تمہارے پاس کسی کی ڈاک نہیں ہے۔“ میں نے دست بستہ عرض کیا کہ غلام کو کیا عذر ہے۔ جو حکم ہو۔ لیکن پھر مصلحت وارثی نے اناوہ کا قیام کسی وجہ سے مناسب نہ جانا۔ اور ۱۸ ارتارخ کو یہ فرمایا کہ مجکو رخصت کر دیا کہ۔ ”تم پھر ایون جاؤ۔ تمہارے باپ فقیر تھے۔ انھیں کی قبر پر رہو۔“

چنانچہ میں قدموں ہو کر پھر ایون واپس آیا۔ اور پھر شوال ۱۳۱۵ ہجری میں بدستور حضرت شاہ ولایت کے عرس میں حاضر ہوا۔ اور ۱۸ ارشوال کو واپس آیا۔ بعدہ ۱۳۱۶ ار ربیع الثاني ۱۳۱۶ ہجری کو میلہ کاتک میں جب حاضری ہوئی تو علاوہ دیگر مشاہدات کے چند ضروری ہدایات سے مستفیض فرمایا کہ حضور نے ۱۸ ارتارخ کو رخصت فرمایا۔

لیکن پھر ایون آ کر ایک ضرورت حاضری کی پیش آئی۔ اور خلاف دستور ۲۵ رجبادی الاول ۱۳۱۶ ہجری کو پھر ایون سے پیدل روانہ ہوا۔ اور شاہ جہان پور میں آ کر معلوم ہوا کہ سرکار عالم پناہ موضع بابو پور ضلع پٹاپور میں رونق افروز ہیں۔ میں وہیں حاضر ہوا۔ اور پانچ روز حضور نے وہاں قیام فرمایا۔ اسی دوران میں ایک شب مجکو اپنی حالت پر افسوس ہوا۔ اور روکر عرض کرنے لگا۔

گدائے کوئے شائیم و حاجتے داریم

رُواہوار کے محروم از آستان بردمیم

صحح کو قدموی کے لئے حاضر ہوا تو فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو۔ عرض کیا کہ حضور کا نام پاک ورد میں ہے۔ ارشاد ہوا کہ آج سے یہ ذکر کیا کرو جو ہم بتاتے ہیں۔ اور اس کا قاعدہ معہ نشست وغیرہ کے تعلیم فرمایا۔

بابو پور سے جناب حضور موضع کبرا میں بادشاہ حسین خان صاحب تعلقدار کے

مکان پر تشریف لائے۔ میں بھی ہمراہ رکاب تھا۔ اور بھائی نعمت علی شاہ اور بھائی احمد شاہ بھی اس سفر میں ساتھ تھے۔ دوپہر کے وقت سرکار عالم پناہ نے بھائی احمد شاہ سے فرمایا کہ ”تم دارجلنگ میں جا کر جنگل میں رہو۔“ اور مجھ سے یہ ارشاد ہوا کہ ”تم نیپال کے پہاڑ پر جاؤ۔ وہاں تمہارے اور بھائی بھی ملیں گے۔ اور راجہ کے یہاں سے تمہارے پاس دال اور چاول آئیں گے۔ اور پتھر کے اوپر پتھر کھکھ عارضی گھر بنالینا۔“

یہ حکم پا کر ہم دونوں قدموں ہو کر رخصت ہوئے۔ ہنوز بستی سے تقریباً دو فرلانگ باہر گئے ہوں گے۔ کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ حضور یاد فرماتے ہیں۔ یہ فرمان مراجعت پہونچا۔ تو واپس آئے۔ ارشاد ہوا کہ ”کھانا کھا چکے ہو یا نہیں۔“ عرض کیا کہ ابھی نہیں۔ فرمایا ”کھانا کھاؤ۔“ ہم دونوں کھانا کھا کر پھر حاضر خدمت ہوئے۔ اُس وقت ارشاد ہوا کہ ”کل جانا۔ تھہرو۔“

صحیح کونور محمد شاہ خادم خاص نے چھرو پیسہ اور ایک تھان سفید نین سکھ کا مجوہ دیا۔ میں نے پوچھا یہ کس واسطے ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں کیا جانوں جا کر سرکار سے دریافت کرو۔ میں اسی وقت حاضر خدمت ہوا۔ اور نور محمد شاہ کا عطا یہ جتاب والا کے حضور میں رکھ دیا۔ سرکار عالم پناہ بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ چیزیں کیوں مرحمت ہوئی ہیں۔ ارشاد ہوا کہ ”یہ پتھرا یوں تک کا کرایہ ہے۔“ عرض کیا کہ کرایہ چھرو پیسہ اور چھ پیسہ ہیں۔ آپنے خادم سے فرمایا کہ ”چھ پیسے اور دو۔ اور یہ سفید کپڑا ان کو نہیں دلوایا تھا۔ نگین تہبند دو۔“ خادم نے جب چھ پیسے اور نگین تہبند بھی مجوہ دیا تو فرمایا کہ ”تم پتھرا یوں جاؤ۔ اور کہیں نہ جانا۔ وہیں رہنا۔ تمہارے باپ فقیر تھے۔ اگر کبھی دل چاہے تو کسی فقیر سے مل آیا کرو۔ یا کسی عرس میں چلے جایا کرو۔“ اسی عرصہ میں بھائی احمد شاہ حاضر ہوئے اُن کو وہی حکم ہوا کہ دارجلنگ جاؤ۔ اور ہم دونوں کو رخصت فرمایا۔

جس وقت میں قدموں ہو تو فرمایا کہ۔ ”پہلی بھیت ہو کر جانا“۔ اور بھائی احمد شاہ سے ارشاد ہوا کہ۔ ”تم لکھنو ہو کر جانا“۔ چنانچہ ہم ریلوے شیشن تک پاپیارہ آئے۔ تو معلوم ہوا کہ لکھنوجانے کی گاڑی پہلے جائے گی۔ تو بھائی احمد شاہ صاحب اس پر سوار ہو گئے۔ اور مجھے رات کو گاڑی ملی۔ اور صبح کو پہلی بھیت پہونچا۔ مگر شب سے یہ خیال تھا کہ شاید پہلی بھیت کا حکم اس لئے صادر فرمایا ہے کہ میان محمد شیر صاحب سے بھی ملتا جاؤں۔ اس واسطے پہلے میان صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور قریب ایک مسجد تھی اُسی میں ٹھہرا۔ جس کے حجرہ میں ایک درویش رہتے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ ان کو والد ماجد علیہ الرحمۃ نے یہاں بھیجا تھا۔ اس لحاظ سے انہوں نے بہت عنایت کی۔ اور بطور نصیحت اکثر لطائف معنوی بیان کئے۔ اور یہ بھی کہا کہ تم کو جناب حاجی صاحب قبلہ نے میرے واسطے یہاں بھیجا ہے۔

دوسرے روز پہلی بھیت سے بریلی۔ اور وہاں سے بھرائیون آیا تو معلوم ہوا کہ اپنے پیر بھائی قطب عالم صاحب سے والد مرحوم نے عالم رویا میں یہ فرمایا کہ بد رال دین سے کہد و ہمارا عرس کیا کرے۔ اور اسی مضمون کا خواب والد ماجد کی ایک مریدہ نے بھی دیکھا ہے۔ اس مکر رہایت سے مجبو خیال ہوا کہ باوجود یہ میری متوكلانہ نیشیت بظاہر اس بار کی متحمل نہیں۔ لیکن حسب ارشاد اگر عرس نہ کروں گا تو والد کی ناخوشی کا باعث ہو گا۔ اس لئے بقدر امکان کوشش کروں۔ اگر خدا کو منظور ہو گا تو غیب سے سامان ہو جائے گا۔

بقول۔ ع خدا خود میرسان است ارباب توکل را۔

چنانچہ تاریخ عرس سے قبل ہی مالک حقیقی نے اسقدر سامان کر دیا کہ ااڑزیقعدہ ۱۳۱۶ ہجری کو میں نے والد ماجد کا پہلا عرس کیا۔ ہر چند جملہ مراسم چھوٹے پیمانہ

پر ہوئے۔ مگر اعزٰا اور احباب کا اجتماع کافی ہو گیا۔ اور قوالی کا سامان ایسا دلچسپ ہوا کہ بعد قتل کے سب نے بے اصرار کہا کہ اب یہ عرس ہمیشہ ہوا کرے۔ چنانچہ مین نے بھی اقرار کر لیا کہ انشاء اللہ ضرور کوشش کروں گا۔ اور پیشوائے برحق کا افضل اگر شامل حال ہے تو یہ عرس ہوا کریگا۔

اس عرس کے بعد سے یہ غیر آباد مسجد بھی اس قدر آباد ہو گئی کہ اکثر نمازی بھی آنے لگے۔ اور بعض احباب بھی میری ملاقات کو بھی تشریف لاتے تھے۔ لیکن اس مرتبہ کی حاضری میں چونکہ سرکار عالم پناہ نے سیر و سیاحت کی اجازت مجبو مرحمت فرمائی تھی۔ اس لئے اکثر بزرگان طریقت کے اعراس میں شریک ہوا اور حضرات مشاہیر اہل تصوف کی خدمت میں بھی اس غرض سے حاضر ہوتا تھا کہ یہ شاعر ہیں۔

ان کا مشاہدہ بالو اسطہ جامع الحفظین کا مشاہدہ ہے۔ بقول۔

مرادہ ماز تماشائے باغ عالم چیست

بدست مردم چشم از ریخ تو گل چیدن

چنانچہ اسی خیال سے ایک مرتبہ پنجاب کا سفر کیا۔ اور سائیں توکل شاہ صاحب سے ملنے انبالہ گیا۔ کمل وغیرہ سرائے میں رکھکر درِ دولت پر حاضر ہوا۔ تو دیکھا کہ ایک خادم دروازہ پر متعین ہے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ سائیں صاحب کا مزاج ناساز ہے۔ اس وقت ملاقات نہ ہو گی۔ مین نے کہا کہ دور سے آیا ہوں صرف اطلاع ہی کر دو۔ مگر جب خادم نے اطلاع بھی نہ کی تو مجبوراً واپس آ رہا تھا کہ بازار میں ایک صاحب نے پکارا جو کسی کی دوکان پر بیٹھے تھے۔ مین ان کے قریب گیا تو ”رزقی اعمال ما صور نادر گرفت“۔ کامضمون پیش آیا کہ اس قدر غنیظ و غضب سے وہ معمور تھے کہ باوجود عدم واقفیت کے مکار و بد شعار وغیرہ خطابات مرحمت فرمائے۔

اور بار بار میری بد کرداری کا اظہار کرنے لگے۔ جگہ حیرت ہوئی کہ سر بازار یہ مسافر نوازی کیون ہو رہی ہے۔ مگر سکوت و خاموشی کے ساتھ ان کی ناقابل برداشت باقین اور بدترین الزامات سنتا رہا بقول۔

و فا کینم و ملامت کشم و خوش باشیم  
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

لیکن شاید میری ہی وجہ سے جب میرے گروہ کے بعض افراد کی نسبت ثقل و مکروہ الفاظ استعمال کئے۔ اور خود ساختہ اتهام دے کر ان کے افعال و اقوال کی بے جا نکتہ چینی کرنے لگے۔ تو بے اقتداء بشریت اس خیال سے طبیعت کو ناگوار ہوا کہ بقول

گرم آلوہ دامنِ چہ عجب  
ہمه عالم گواہ عصمتِ اوست

ہر چند میں اسی لاٹ ہوں۔ اور میرے حق میں جو کچھ ان کا خیال ہے وہ بجائے خود صحیح ہو گا۔ مگر افسوس میرے مذموم خصائص کی بدولت آج انخوان ملت بھی ہدفِ ملامت ہو رہے ہیں۔ اور اس خدا کے بندے کو تھتب کے جوش میں دکھائی نہیں دیتا کہ فقرائے تہبند پوش کو متهم کرتا ہے۔ لیکن عرصہ تک وہ نا آشنا شفیق نہ طعن و تشنج سے باز آئے۔ اور نہ ان کے تراشیدہ مضامیں کا طولانی سلسلہ ختم ہوا۔

جب ان کی زبان درازی حد سے گذر گئی۔ تو دفتراً مالک دوکان کو غصہ آگیا۔ اور میرے مہربان ناصح کو اسی طریق سے جواب دیا۔ اور انھیں لفظوں سے ان کی خدمت کی۔ جو میری نسبت وہ استعمال کر رہے تھے۔ اُس وقت وہ ہوش میں آئے۔ اور خاموش ہو کر پند و فصیحت موقوف کی۔ اور بالآخر اُنھر

چلے گئے۔

دوکاندار نے مجھ سے پوچھا کہ میان صاحب آپ کا مکان کہاں ہے۔ اور یہاں کس لئے آنا ہوا۔ میں نے کہا۔ بھائی ضلع مراد آباد کا رہنے والا ہوں۔ اور سائین توکل شاہ صاحب سے ملنے آیا تھا۔ جب سائین صاحب کا نام سناتو اس کو اور محبت ہوئی۔ اور نہایت شفقت سے کہا کہ میں بھی ان کا فرید ہوں۔ لہذا آج آپ کی دعوت ہے۔ چونکہ دعوت سے انکار کرنا میرے مشرب کے خلاف تھا اس لئے شب کو اُس سافرنواز کے یہاں کھانا کھایا۔ اور سرانے میں آ کر سورہا۔

صحح کو شہر کے مشہور مقامات دیکھئے۔ اور ہادیان طریقہ کے مزارات پر حاضر ہوا اور دوپہر کو آ کر سرانے میں سورہا تھا کہ ایک صاحب نے جگایا۔ اور کہا سائین صاحب آپ کو بلا تے ہیں۔ چونکہ میں حاضر ہو چکا تھا۔ اور دربان نے غیر مانوس شخص دیکھ کر اطلاع بھی نہیں کی تھی۔ اس وجہ سے بے اختیار زبان سے نکل گیا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف سائین صاحب کا اشتیاق زیارت مجوہ یہاں لایا تھا اور پہلا کام بھی یہی کیا کہ ان کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ لیکن دیکھا کہ بابِ امید مسدود ہے۔ اور پھرہ دار بھی اس قدر تمیز دار تھا کہ مکر رکھنے سے بھی اُس نے اطلاع نہ کی۔ اُس کے عدم اتفاقات سے یہ خیال ہوا کہ سائین صاحب کو مجھ سگ دنیا سے ملنا منظور نہیں۔ اس لئے سمجھتا ہوں کہ اب جانے کی ضرورت نہیں۔

لیکن جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو انکار کا بھی موقع نہ تھا۔ مجبوراً ان کے ہمراہ چلا۔ راستہ میں ایک مسجد کے قریب جا کر انہوں نے کہا کہ سائین صاحب کے فرید قاری عبد الرحمن صاحب ناپینا اس میں رہتے ہیں۔ اور ان کو بھی آپ سے ملنے کا شوق ہے۔ اگر معاائقہ نہ ہو تو ان سے ملاقات کر لیجئے۔ میں نے بخوبی منظور کیا۔ اور مسجد میں جا کر قاری صاحب سے صاحبِ سلامت کی تو موصوف کھڑے ہو گئے۔ اور معاائقہ کے بعد

مجھے سر سے پاٹک ٹوٹ کر فرمایا جناب حاجی صاحب کا لباس بھی ہے۔ میں نے کہا۔ جی  
ہاں میرے پیشوائے بحق ہمیشہ نہیں احرام زیب جسم فرماتے ہیں۔ قاری صاحب نے کہا  
مجھے دست سے حاجی صاحب کی زیارت کا شوق تھا۔ الحمد للہ کہ آج میری وہ دیرینہ آرزو  
یوں پوری ہوئی کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔ جس کو میں سمجھتا ہوں کہ حاجی صاحب قبلہ کی  
زیارت نصیب ہوئی۔ بمصدقاق۔ ”نشانی اُس کی چھلائے ہے یہ چھلے کی نشانی ہے۔“ اب تم  
سائین صاحب کے پاس جاؤ۔ وہ دریافت فرمائے ہیں۔

قاری صاحب سے رخصت ہو کر جب سائین صاحب کے مکان پر آیا۔ تو  
دیکھا کہ موصوف ایک سائبان میں آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ اور پائیں میں ایک  
مرید آپ کا مرائق ہے۔ چند ساعت میں کھڑا رہا۔ اور یہ خیال ہوا کہ اگر سر کا ر عالم  
پناہ کی طرح سے ہاتھ بڑھائیں گے تو دست بوس ہونگا اور نہ سلام کر کے بیٹھ جاؤ نگا۔  
اسی عرصہ میں سائین صاحب نے آنکھ کھولی۔ میں نے سلام کیا۔ مددوح نے سر سے پا  
تک جگو یا میرے لباس کو دیکھ کر چشم نم فرمائی۔ اور میری جانب شفقت آمیز طریقہ سے  
ہاتھ بڑھایا۔ میں نے حسب ارادہ ہاتون کو بوسہ دیا اور سامنے بیٹھ گیا۔ سائین صاحب  
نے پُر جوش لجھے میں فرمایا کہ۔ ”رسول کریم دا اور حاجی صاحب دافیض ساؤ نے نال  
آوندا ہے۔“ پھر ایک آہ کھینچ کر مجھ سے پوچھا کہ تم کو کس نے بھیجا ہے۔ عرض کیا خدا  
نے۔ پھر فرمایا کہ کیونکر آئے۔ میں نے کھاریل پر۔ پھر ارشاد ہوا کہ کہاں قیام کیا ہے۔  
میں نے کہا۔ آپ کے یہاں۔ بعدہ اپنے ایک خلیفہ سے یہ حکم دیا کہ جاؤ ان کے ساتھ  
کھانا کھاؤ۔ وہ خلیفہ صاحب جگو باہر لائے۔ اور اپنے ہمراہ کھانا کھلایا۔ بعد فراغت  
میں پھر حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ تم آج ہی سرہند شریف چلے جاؤ۔ میں سلام کر کے  
سرائے میں آیا۔ اور اپنا کمل لیکر شام کی گاڑی سے سرہند شریف روانہ ہوا۔

اتفاق سے وہی زمانہ عرس کا تھا۔ دور دور سے زائرین آئے تھے۔ اور تقریباً

ہر وقت قرآن خوانی ہوتی تھی۔ بعض درویشوں سے بھی ملاقات ہوئی۔ اور بعد انتظام عرس میں لاہور چلا آیا۔ اور مخدوم الملک حضرت داتا گنج بخش قدس اللہ سرہ العزیز کے مزار پر انور کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور چند روز خانقاہ اقدس میں قیام کیا۔ شہر کے آثار قدیمہ بھی دیکھئے اور دیگر مزارات پر بھی حاضر ہوا۔ بلکہ راجہ نجیت سنگہ کی منڈھی پر بھی گیا۔

لاہور سے امر ترا آیا۔ اور دربار صاحب یعنی گروناں کش شاہ کے آستہان پر گیا۔ پھر سہار نپور میں بعض مزارات کی زیارت کی۔ اور بعدہ ہر دوار آیا۔ اور اندر رجا کر گنگا کے کنارے بیٹھ گیا۔ ایک سادہ ہونے پوچھا کہ تم کون دودا ہو۔ میں نے کہا کہ دو بدھا چھوڑ دی ہے۔ تب اس نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ میں نے کہا تم نہیں دیکھتے میں آدمی ہوں۔ اس نے کہا مسلمان ہو یا ہندو۔ میں نے کہا۔ دونوں سے علیحدہ۔ غرض وہ غریب تو چلا گیا۔ مگر اور چند سادہ ہو مجتمع ہو کر آئے۔ جن میں ایک ایسے بھی تھے جو عہدہ جسی چھوڑ کر فقیر ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کس کے دیکھنے والے ہیں۔ میں نے کہا جو آنکھ کے سامنے آتا ہے اُسی کو دیکھتا ہوں۔ اس پر وہ مسکرائے۔ اور کہا مطلب میرا یہ ہے کہ آپ کس سلسلہ میں ہیں۔ میں نے کہا کہ عشق کے سلسلہ میں ہوں۔ تب انہوں نے کہا کہ میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کس کے مرید ہیں۔ میں نے کہا کہ وارثی ہوں۔ سادہ ہو جی نے متوجہ ہو کر کہا کہ وارثی تو کوئی خاندان نہیں۔ میں تھوڑی صراحةً کے بعد یہ سمجھا دیا کہ اصل سلاسل سلسلہ وارثیہ ہے۔ اور سادہ ہو صاحب نے بھی اس کو مان لیا۔ اور پھر سب سادہ ہو ایسے دوست ہو گئے کہ تمام دن اُن کے ساتھ وہاں کی سیر کرتا رہا۔

بعدہ ہر دوار سے رکھی کیش گیا۔ وہاں بھی اکثر ایسے فقرائے ہندے سے ملاقات ہوئی۔ جو اپنے طریقے سے باخبر اور درحقیقت سادہ ہوتے۔ مگر تنقیح محبت کا ایسا گھائل کوئی نہیں دیکھا جو مساوائے شاہد مطلق دارین کے مفاد و ضرر سے بے سروکار ہو۔ لیو نفر

دیکھئے پنڈت۔ ساد ہو۔ جو گی۔ سنت۔ ساد۔ ملگ

پریم کا بھگتی ایک نہ پایا اوگھٹ چار انگ

پھر کبھی کیش سے جوالا پور۔ اور کنہل ہوتا ہوا عین زمانہ عرس میں پیران کلیر شریف پہنچا خلقت کا ہجوم تھا۔ جس میں درویش بھی ہزاروں تھے۔ چنانچہ بعض مفتعم فقراء سے بھی ملاقات ہوئی۔ لیکن والد مر حوم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ چہنگا شاہ اور میران شاہ اور جعفر شاہ ہمارے ملنے والے ہیں۔ اور درحقیقت وہ فقیر ہیں۔ یہ ارشاد مجبو یاد تھا۔ اور ان کو تلاش کرتا تھا۔ مگر با وجود جستجو کے دو روز تک ان حضرات کی زیارت نہ ہوئی۔ اتفاق سے ایک شاہ صاحب نے بے سبیل تذکرہ جعفر شاہ کی تعریف کی۔ تو میں نے پوچھا کہ وہ کہاں قیام پذیر ہیں۔ کہا کہ احاطہ کے باہر بلند دروازہ کے قریب ملین گے۔ میں نے وہاں جا کر تلاش کیا تو دیکھا کہ ایک درویش دہونی رمائے۔ بوریا بچھائے بیٹھے ہیں۔ میں نے شرف نیاز حاصل کیا۔ تو مناسب ہو کر فرمایا کہ آؤ۔ تم شمس الدین کے بیٹے ہو۔ وہ ہمارا یار تھا۔ اب ایسے فقیر نہیں ملتے۔ اور پھر یہ بھی فرمایا کہ تم فقیر حاجی صاحب کے ہو۔ میں نے کہا جی ہاں فرمایا کہ اس وقت ہندوستان میں وہ آفتاب ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا کہ میران شاہ سے بھی ملے۔ میں نے عرض کیا ابھی نہیں۔ فرمایا اچھا تھہرو۔ اور ایک چلم میں چرس بھرو کر منگائی۔ اور مجھ سے کہا کہ دم لگاؤ۔ میں نے انکار کیا۔ مگر شاہ صاحب نے جب اصرار کیا تو میں نے عرض کیا کہ اسی صورت میں آ کر فرمائیے جس کو میں نے پہچانا ہے۔ تو پی لوگنا۔ یہ سنکروہ ہنسے اور فرمایا تم ضرور شمس الدین کے بیٹے ہو۔ اچھا جاؤ۔ وہ میران شاہ بیٹھے ہیں ان کے اشارہ کے مطابق وہاں گیا تو یہ دیکھا کہ ایک صاحب پنجابی گرتہ اور چار کلی کی مغلی ٹوپی پہنے اور پنجابی لنگی باندھے۔ ڈاڑھی چڑھائے اس طرح بستر پر متمن ہیں کہ کسکو فقیر ہونے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ میں نے نہایت ادب سے سلام کیا تو بکمال جوش محبت جواب سلام دیا۔ اور میری حالت پوچھکر فرمایا کہ شمس الدین نے جس روز یہ غزل

لکھی تھی۔ ”کہون رتبہ اعلیٰ علاو الدین صابر کا“۔ اس روز ہم یہیں تھے۔ فیضان حضرت صابر سے وہ فقیر ہوئے ورنہ مشائخ تھے۔ پھر ریاضت و مجاہدت کا ذکر آیا۔ تو اس سلسلہ میں فرمایا کہ ذاکر و شاغل ہونا بھی خداشناہی کے لئے بہترین طریق ہے۔ جو مسافر را ہ طلب کا رفیق ہوتا ہے۔ مگر اے عزیز فقر اور چیز ہے جس کی یافت ریاضت و مجاہدت پر موقوف نہیں۔ بلکہ اس کا حصول عنایت وہی اور اشارت پیشو اپر محوال ہے۔ تم کو کیا سمجھاؤں۔ تم فقیر کے بیٹے۔ اور ایسے لاثانی فقیر کے دست گرفتہ ہو۔ دنیا میں جس کا مثل و نظیر نہیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد فرمایا کہ جاؤ چھنگا شاہ سے بھی مل آؤ۔ وہ بھی تمہارے باپ کے یار ہیں۔ اندر او طاق بیٹھے ہیں۔

میں تلاش کر کے چھنگا شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ وہ ناپینا تھا اسلئے آواز سلام کیا۔ فرمایا کون ہے۔ عرض کیا۔ او گھٹ شاہ۔ پوچھا۔ کہاں کے رہنے والے ہو۔ میں نے کہا۔ پھر ایوں کا۔ فرمایا۔ شش الدین کو جانتے ہو۔ عرض کیا اُنہیں کابد نام کنندہ بیٹا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ مرید کسی کے ہو۔ میں نے سرکار عالم پناہ کا نام نامی لیا تو فرمایا پیر تو بڑا پایا۔ اول تو سید۔ دوسرے فقیر ایسے کہ آج ان کے سوا کوئی فقیر نہیں۔ بقول

امروز شاہِ نجمِ دلبران یکیست  
دلبر اگر ہزار بود دلبر آن یکیست

اسی دوران میں عرض کیا کہ حکم ہو تو شیرینی لاوَن۔ فرمایا اچھا مگر ھے بھی لانا۔ میں فوراً لڑا اور ایک حقہ لایا۔ اور سامنے پیش کیا۔ تو صرف ایک لڑو رکھ لیا اور باقی تقسیم کر دیئے۔ بعدہ اُس لڑو کے دو حصہ کئے۔ ایک مجکو دیا۔ اور ایک خود کھالیا۔ اور عرصہ تک نصیحت فرمایا کہ مجکو رخصت کیا۔ اور بعد ختم عرس میں پھر ایوں واپس آیا۔

الغرض یہ سفر بظاہر دلچسپ بھی اور بالمعنى مفید بھی تھا۔ دلچسپ اس لحاظ سے کہ مختلف شہروں کے قدیم آثارات دیکھ کر شاہان سلف کی خداداد شوکت و صولات کی یاد تازہ ہوئی۔ اور اسی کے ساتھ جب ان کے مقابر نظر سے گزرے تو عبرت ہوئی۔ اور دنیا کی بے شاتی کا مرتع سامنے آگیا۔ علاوہ اس کے ہر مقام پر مختلف اقوام کے باشندوں کے اخلاق و عادات سے واقف ہوا۔ جنگل کے قدرتی بزرے زار کی بہار دیکھی۔ پہاڑوں کی خوشگوار ہوا سے صحت کو فائدہ پہنچا۔ لیکن یہ مفاد تو نام نہاد ہیں۔ حقیقی مراد میری یہ نہ تھی۔ بلکہ سیاحت کی اصل غایت جس کو مذہبی سعادت اور مشربی افادت کہنا چاہیے الحمد للہ وہ بھی نصیب ہوئی۔ کہ مقتدا یا ان طریقت کے مقدس آستانوں پر حاضر ہوا ہے اگر ان کے مزارات کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کو سرمایہ نہ کہوں تو بے جانہ ہو گا۔

مزید برآں موجودہ حضرات مشائخین کے مراعات معنوی سے میرے خیالات کو تقویت ہوئی۔ فقراءِ ذی مرتبت کے فیضانِ صحبت سے تو وہ دولت لازوال حاصل ہوئی جس کا اندازہ بھی کرنا محال ہے۔ بقول حضرت مولانا۔

یک زمانے صحبتے با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

علی ہذا بعض فقراءِ ہند کا ویران پہاڑوں اور سنان جنگلوں میں باوجود بے سرو سامان ہونے کے خوش و ختم رہنا۔ اور بکمال صبر و استقلال زاہدانہ زندگی بسر کرنا ایک ایسا نظارہ تھا جس سے نوآموز فقیر قناعت و استقامت کا معقول سبق لے سکتا ہے۔

لیکن قطع نظر ان تمام خوبیوں کے اس سفر سے مخصوص فائدہ مجکو یہ ہوا کہ پیشوائے برحق کے مراتب علیا کی جب تما می ابل اللہ نے صریح الفاظ میں تصدیق

فرمائی تو میرا یہ خیال اور مضبوط و پختہ ہو گیا کہ اقلیم فقر کے شہنشاہ اور اسرارِ عشق سے آگاہ صرف ہمارے سرکارِ عالم پناہ ہیں۔ اس لئے کہ میری نگاہ میں وہ درویش جو یقینی اہل باطن اور خدا رسیدہ تھے۔ سب نے بیک زبان حضور کی عظمت و شان کا اقرار کیا۔ اور جس کے سامنے ہادی کامل کا نام لیا۔ اُس نے مرعوب ہو کر سرتلیم خم کیا۔ اور اُس وقت ان کے قیافہ سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ خدا شناس راہ فقر میں ہمارے وارث پاک کے دست نگر ہیں۔ بلکہ اکثر مجازیب نے صرف میرے لباس کی وجہ سے ایسی تکریم کی جس کے لائق میں ہرگز نہ تھا۔ اور ان کا عجز و انکسار زبان حال سے کہتا تھا کہ بارگاہ وارثی کے یہ فرمانبردار ہیں۔

مگر جس طرح یہ سفر میرے حق میں مبارک و میمون ہوا۔ اُسی طرح بعد مراجعت بہ تازہ جنون روز افزون ترقی کرنے لگا۔ اور قدر تباہی تحریک دل میں پیدا ہوئی کہ شبانہ روز کی دوری اب ناقابل برداشت ہے۔ کسی طریق سے جلد جلد بلکہ روزمرہ بارگاہ حبیب کی آستان بوسی نصیب ہو۔ اسی خیال سے بجائے سکون قلب کو اضطرار۔ اور بجائے اطمینان ایسا انتشار رہنے لگا کہ ہر چند مسجد کی خدمت بدستور کرتا تھا۔ مگر غمِ محبوری سے جب زیادہ رنجور ہوتا۔ زار زار روتا۔ اور تصور میں اپنے آقائے نامدار سے عرض کرتا۔ بقول

یارانِ ہمنشین ہمہ از ہم جدا شدند

ما یم آستانہ دولت پناہ تو

بندہ نواز۔ یہ دور افتادہ غلام تیری جدائی میں بتلائے رنج و آلام ہے۔ شب فراق کی تہائی کیونکرنہ شاق ہو۔ ”نه مونے نہ شفیقے نہ ہدمے دارم“۔

اس بلا رسیدہ نو گرفتار دامِ محبت کو تیری عنایت درکار ہے۔ بقول

میسوزم از فرات رو از جفا بگردان      هجران بلاعے ماش یارب بلا بگردان

مگر دشواری یہ تھی کہ ادھر تو شوق زیارت میں دل بے چین۔ ادھر میری حاضری کے لئے حسب فرمان وارثی زمانہ عرس شوال متعین جس کو تین مہینے باقی تھے۔ اس لئے بصدق اُن نے پائے رفتہ نہ جائے ماندن، کامضمون تھا۔ بقول

اضطرابِ اُنم نہ گزارد کہ نشیم جائے

انتظارت نہ گزارد کہ زجا بر خیزم

لیکن کارساز حقیقی نے یہ کرشمہ دکھایا کہ اُسی عرصہ میں جناب شاہ فضل حسین صاحب کا والا نامہ آیا جس میں موصوف نے تحریر فرمایا تھا کہ۔

تازہ شوایے دل پر چمڑہ کہ چون آجیات

بھرجو دلیست کہ سونے توروانی آید

سرکار عالم پناہ مقام دہرم پور نواب عبدالٹکور خان صاحب کے مکان پر  
تشریف لیجا میں گے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی وہیں حاضر ہو کر سعادت  
قدموی حاصل کرو۔

شاہ صاحب مددوح کی ہدایت کے بموجب تاریخ معینہ سے دو روز پہلے  
مراد آباد آیا۔ اور پھر چندوی ہو کر اسٹیشن کسیر پر حضور کی آمد کا منتظر رہا۔ حتیٰ کہ  
وقت مقررہ پر جناب والا تشریف لائے۔ اور علاوہ نور محمد شاہ و فیضو شاہ خدام  
خاص کے ٹھاکر پنجم سنگھ صاحب وارثی رئیس ملاؤں ضلع میں پوری بھی ہمراہ  
رکاب تھے اور اُسی وقت علیگڑھ سے جو گاڑی آئی۔ اُس سے بابو کنیا الال  
صاحب وکیل جن کو بعد میں غلام وارث کا خطاب نصیب ہوا۔ اور اب ٹرست  
کمیٹی مقبرہ شریف کے سیکریٹری ہیں اُترے۔ اور اُسی گاڑی سے معصوم شاہ  
صاحب وارثی جن کا قیام دہلی میں زیادہ رہتا تھا آئے۔

قریب اسٹیشن نواب صاحب نے خیمه استادہ کرایا تھا۔ اس میں جناب حضرت نے

تھوڑی دیر کے واسطے استراحت فرمائی۔ اور یکے بعد دیگرے غلامان وارثی قدموں ہوئے جب مقصوم شاہ حاضر ہوئے تو فرمایا۔ ”تم کیون آئے؟“ - مقصوم شاہ نے عرض کیا کہ دہلی جا رہا تھا۔ شوق قدموں میں اُتر گیا ہوں۔ حکم ہوا کہ۔ ”تم ابھی چلے جاؤ۔“ اس حکم قطعی سے بھائی مقصوم شاہ بجائے محروم و ملعول ہونے کے مسرور و مخطوط ہو کر خیمه سے باہر آئے۔ اور مکیف ہو کر روائی کا سامان کرنے لگے۔ ان کی اس حالت سے صاف ظاہر تھا۔ کہ دستور محبت یہی ہے کہ طالب شوق دید میں پرواہ وار حاضر ہو۔ اور جب محفل مطلوب سے بہزار رسوانی نکالا جائے تو لازم ہے کہ اپنی اس ظاہری ذلت کو بھی عین عزت سمجھے بقول حضرت جامی علیہ الرحمۃ۔

خوش آن روزے کے گفتگی با حریفان چون مرادیدی  
کہ این مسکین بکوئے ماجرا بسیار میگردو  
لیکن اس وقت چونکہ کوئی گاڑی نہیں جاتی تھی۔ اس لحاظ سے نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضور مجبوری یہ ہے کہ اب گاڑی انھیں شب کو ملیکی۔ سرکار نے یہ عذر منظور فرمایا اور ارشاد ہوا۔ ”اچھارات کو چلے جاوین۔“

نواب صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم بھی قدموں کر آؤ۔ شاید انھیں کے ساتھ تم کو بھی جانا پڑے۔ چنانچہ میں جب قدموں ہوا تو فرمایا کون ہے۔ عرض کیا۔ اوگھٹ شاہ۔ ارشاد ہوا کہ۔ ”تم پچھرائیوں میں اپنے باپ کی قبر پر رہتے ہو،“ - میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ پچھرائیوں یہاں سے قریب ہے۔ فرمایا۔ ”تو یہ تمہارا علاقہ ہے۔ اچھا ٹھہر وو۔“

بعد رفع تکان سرکار عالم پناہ پاکی میں سوار ہوئے۔ اور جلو میں غلاموں کا ہجوم اشیش کیسر سے غالب پور چلا۔ بقول

بزم گشت چوآن ناز نین سوار شود ہزار خستہ دش خاک رہ گز ارشود

موضع غالب پور قصبه ڈیائی سے قریب تھا۔ اور نواب صاحب نے اُس کا شکور گنج نام رکھا تھا۔ اور یہیں سکونت کا خیال تھا۔ اس لئے یہاں عالیشان کوئی تغیر کرائی تھی۔ لیکن ایک چھت اُس کی ہمیشہ گرا کرتی تھی۔ اس وجہ سے بعض کا خیال تھا کہ اس میں کسی جن کا گذر ہے۔ اور وہی ہمیشہ چھت گرا دیتا ہے۔

چنانچہ نواب صاحب پہلے سر کار کو ایسی نو تعمیر کوئی میں لائے۔ اور مقصود یہ تھا کہ دہرم پور لیجا میں گے۔ کیونکہ وہیں دعوت کا انتظام کیا تھا۔ مگر جناب والا نے ترشو ہو کر فرمایا کہ۔ ”اب ہم یہیں رہیں گے۔“ خدام نے عذر کیا۔ اور اس حکم میں ترمیم چاہی۔ تو حضور نے ان کو نظر گرم سے دیکھا۔ اور مکر رفرمایا کہ ”نہیں اب یہیں رہیں گے۔“ اسوقت نواب صاحب بہت پریشان تھے۔ مگر تھا کہ پچھم سنگھ صاحب نے یہ جسارت کی کہ خدمت عالی میں حاضر ہو کر قد مبوس ہوئے۔ حضور نے فرمایا کہ۔ ”ٹھا کر اب ہم یہیں رہیں گے۔“ ٹھا کر صاحب نے عرض کیا بہتر ہے۔ آپ یہیں قیام فرمائیں۔ لیکن نواب صاحب کو بہت وقت ہو گی۔ دہرم پور سے کل سامان منگانا ہو گا اور نہ حضور کے مہماں نوں کو تکلیف ہو گی۔

چونکہ مزاج ہمایوں کا انداز کریمانہ تھا۔ کسی کی معمولی تکلیف بھی کبھی گوارانہ ہوتی تھی۔ اسی لحاظ سے اس وقت بھی شفقت وارثی کو اپنے غلاموں کی راحت کا خیال ہوا۔ اور فرمایا کہ۔ ”اچھا وہیں چلو۔ ورنہ مہماں نوں کو تکلیف ہو گی۔“ پھر کیا تھا۔ فوراً پاکی آئی۔ حضور سوار ہوئے۔ اور ایک گھنٹہ میں دہرم پور پہنچ گئے۔ اس وقت نواب صاحب کا جوش مرت زبان حال سے کہتا تھا۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے  
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں  
مجھے خوب یاد ہے کہ تاریخ ۵ رمضان المبارک پنجشنبہ کاروز تھا کہ قریب عصر حضور

کی سواری دھرم پور پہنچی۔ شب کو نواب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ۔ ”کل جمعہ ہے۔ نماز کون پڑھاتا ہے؟“ نواب صاحب نے عرض کیا کہ مولوی پروش علی صاحب پڑھاتے ہیں۔ جناب والا نے حافظ خدا بخش صاحب سے (جن کو بعد میں احمد شاہ کا خطاب مرحمت ہوا) فرمایا کہ۔ ”مولوی صاحب کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ کل تم نماز پڑھانا۔ اور خطبہ چھوٹا پڑھنا،“ اور بابو کنیالاں صاحب سے ارشاد ہوا کہ۔ ”کل سے تم بھی روزہ رکھو اور ہمارے ساتھ نماز پڑھنے چلا،“

چنانچہ بابو صاحب نے شب بھر میں ارکان نماز یاد کئے اور حافظ صاحب نے مختصر خطبہ تالیف کیا۔ اور بعد نصف النہار سر کار عالم پناہ نماز جمعہ کے لئے تشریف لے چلے۔ جلو میں علام وارثی کا اثر دہام تھا۔ جب مسجد میں پہنچ تو دیکھا کہ بستی کے بہت لوگ مجتمع ہیں۔ حافظ صاحب نے وہی خطبہ پڑھا اور نماز میں چھوٹے چھوٹے سورون کی قراءت کی۔ صفوں میں حضور تھے اور عقب حضور بابو کنیالاں اور ٹھاکر پنجم سنگھ اور ہم سب غلام تھے۔ بعد نماز میلاد تشریف ہوا۔ جب شیرینی تقسیم ہونے لگی تو جناب حضرت پاکی میں سوار ہوئے اور مکان پر تشریف لائے۔

شب کو حاضر خدمت ہوا تو مجھے دیکھ کر پنجم سنگھ صاحب سے فرمایا۔ ”ٹھاکر دوسرے کی چیز لے کر احسان مند ہونا نہ چاہیے۔ اور اگر لے تو اسکا بدلہ کرنے“۔ باہر آ کر ٹھاکر صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ کج بتاؤ۔ حضور نے یہ کیون ارشاد فرمایا۔ کہ روئے سخن اس ارشاد کا ضرور تھا۔ کیونکہ جناب حضرت کا انداز کلام یہی ہے کہ جس سے خطاب کرنا منظور ہوتا ہے اُس سے نہیں۔ بلکہ دوسرے سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ تھا طب گو میری طرف تھا۔ مگر مقصد تمہیں ہو گے۔ کہ سوائے تمہارے اسوقت کوئی اور حاضر نہ تھا۔

میں نے غور کیا تو عنایت وارثی مجھوں پے قصور پر آگاہ کر دیا۔ اور سمجھ میں

آگیا کے

سوئے من بود اشارت غمزہ  
گرچہ بادیگران سخن میکفت

بیٹک یہ میری تنبیہ کے لئے ارشاد ہوا ہے۔ چنانچہ ٹھاکر صاحب سے اپنا حال بیان کیا کہ چونکہ کمل قوالون نے لے لیا تھا۔ اس وجہ سے میرے دوست خواجہ حسن صاحب نے اپنی رضائی ساتھ کر دی کہ سردی کی تکلیف نہ ہو۔ وہی اسوقت اوڑھے تھا۔ شاید میرے غیور بندہ نواز کو منظور نہ ہوا کہ ہمارا غلام کسی صورت سے بھی غیر کامرا ہوں احسان ہو۔

ٹھاکر صاحب کو تو فی الجملہ اطمینان ہو گیا۔ لیکن میں اپنی اس غلطی پر اس قدر نادم و شرمسار ہوا کہ ہبیت وارثی سے تمام شب مضطرب بیقرار رہا۔ جب قلب زیادہ بیتاب ہوتا تو بستر پر مثل ماہی بے آب ترپتا اور آقائے نامدار سے عفو تقصیر کا خواستگار ہوتا۔ اور بہزار عجز و انکسار عرض کرتا۔

بادشاہا جرم مارا در گذار  
ما گنہ گاریم تو آمرز گار

صح کو ہر چند جا ب ندامت سے محبوب تھا۔ مگر شوق قد مبوسی میں حاضر خدمت ہوا۔ اُس وقت سرکار عالم پناہ کا بلی ذہستہ اوڑھے تھے۔ حضور نے وہ دوش مبارک سے اتار کر محبو مرحوم فرمایا۔ میں نے اُس خلعت فاخرہ کو آنکھوں سے لگایا۔ اور باہر آ کر رضائی رکھدی۔ اور وہی قیمتی ذہستہ اوڑھ کر شاداں و فرحاں پھرنے لگا۔

بعدہ ظہر کے وقت حاضر خدمت ہوا تو فرمایا۔ ”اوگھٹ شاہ سنو۔ فی انقفسکُمْ  
افلا تُبصرون۔ سمجھ گئے“۔ اس ارشاد کے پردہ میں فیضان وارثی نے یہ کشمکش دکھایا کہ

وَفِعْلًا قُلْبُكَ كَيْ حَالَتْ اسْعَانَ سَيْ بَدَلَ گئی۔ جس کی حَقِيقَتِ کیفیت کا اظہار لفظوں میں کرنا  
دشوار بھی ہے اور منوع بھی۔ بقول

نَهْ رَازْ خَلُوتْ شَاهَانْ بَهْرَ كَسْ مَيْ تَوَانْ ۖ  
نَهْ سَرْ سَيْنَهْ مَرْدَانْ سَرَازَيْ قَلْبَ سَنْگَيْنَ اَسْتْ

مگر اس انتشار میں بے ساختہ یہ ضرور عرض کیا کہ حضور سمجھ گیا۔ لیکن کوئی دریافت  
کرے کہ تم کیا سمجھے تو اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ سمجھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس تینوں دوستی  
میں یہ ہوش آیا۔ قبل اس کے جس قدر سمجھ چکا تھا۔ وہ فراموش کیا۔ اور یہ تلقین ایسی مؤثر  
ہوئی کہ باوجود ناجھی کے دل کو تسلیم ہو گئی۔ اور مجھ نافہم کی سمجھ میں آگیا۔ کہ اس کثرت  
میں درحقیقت وہی وحدت حقیقی جلوہ گر ہے۔ جو تمام عالم کی جان بلکہ عین ایمان ہے بقول  
حضرت مولا نا علیہ الرحمۃ۔

اَتَصَالُ بِهِ تَكْيِفٍ بِهِ قِيَاسٍ

هَسْتَ رَبُّ النَّاسِ رَابِّ الْجَانِ نَاسٌ

حالانکہ اس آیہ و انی ہدایہ کی بارہا۔ تلاوت کی تھی۔ اس کا ترجمہ بھی پڑھا تھا۔ اس  
کی تفسیر بھی دیکھی تھی۔ علمائے عظام نے جونکات و لاطائف اس کے تحت میں بیان فرمائے  
ہیں وہ بقدر استعداد بھجو یاد تھے۔ حتیٰ کہ مشاہیر حضرات صوفیہ کرام نے اس آیہ کریمہ کے  
سلسلہ میں جو رموز معنوی ظاہر فرمائے ہیں ان سے بھی آنکھیں مستفیض ہو چکی تھیں۔  
مگر میری اس تمام واقفیت کی رسائی صرف تحریر و تقریر کے احاطہ میں محدود تھی۔ نہ حقانیت  
سے تعلق نہ روحانیت سے سروکار تھا۔ بقول

عِلْمَ رَسَے سَرْ بَرْ قَبْلَ اَسْتَ وَقَالَ

نَهْ اَزْوَ كَيْفِيَتَهْ حَاصِلَ نَهْ حَالَ

لیکن پیشوائے برحق کی قوت کاملہ کی یہ روشن دلیل ہے کہ جب اُس واقف رموز و اسرار

وکاشف غوامض و استار نے اس آئیے پاک کی تلاوت فرمائی تو محض اُس کی سماں  
سے مجھا لیے نافہم کے ادراک نے تصدیق کی کہ لا ریب فیہ یہ آیت سریان وجود کی  
قطعی شاہد ہے۔

اگر جناب حضرت اس آیت کے اسرار غوامض اظہار فرماتے اور مسترد دین کو  
نکات معنوی سے آگاہ کرتے تو حیرت کی گنجائش نہ تھی۔ تجرب ہے تو اس کا ہے کہ حضور نے  
ترجمہ بھی نہیں بیان کیا۔ اور صرف ایک لفظ ”سمجھے“ اس انداز سے فرمایا اور اس کا یہ گہرا اثر ہوا  
کہ مجھنا سمجھ کو یہ سمجھ مرحمت ہوئی کہ عقل و شعور کی رسائی سے جو سمجھا تھا وہ دفعتاً لوح ذہن  
سے محو ہو گیا۔ بقول ”جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اُسے صاف دل سے بھلا دیا۔“

اصل یہ ہے کہ ایسے بدیہی اور پراثر فیض کا وقوع بجز تاثیرات عشق کے اور کسی قوت  
سے ناممکن ہے۔ اور چونکہ سر کار عالم پناہ کا مشرب عین عشق ہے اس لئے آپ کے جملہ اقوال  
و افعال میں تاثیر عشق ایسی مضمون تھی کہ ہر چند آپ کسی زبان میں کوئی مضمون ادا فرمائیں مگر وہ  
اپنی حقیقی تاثیر سے ضرور معمور ہو گا۔ اور مخاطب بھی کسی حیثیت کا کیون نہ ہو لیکن آپ کے  
قدس کلام کے اثر سے اُس کو موثر ہونا لازمی ہے اور اثر بھی وہی ہو گا۔ جو عشق کا خاصہ ہے کہ  
”یحرقِ مَاسُوْيَ الْمَحْبُوب“۔ یعنی وجود غیر اللہ مفقود ہو جائے۔ بقول مولا نار حمدۃ علیہ

عشق آن شعلہ است کو چون بر فروخت

ہر چہ بُرْمُعْشُوق باقی جملہ سوخت

اور یہی اثر عشق عین توحید ہے کہ ذرات کائنات میں ایک شاہد حقیقی کے  
ظہور ہمہ گیر کی تصدیق ہو جائے۔ جیسا کہ ہمارے شہنشاہ اقلیم عشق کے افاضہ باطنی  
کی تاثیر نمایاں ہوئی کہ آن واحد میں اپنی قوت روحانی سے مجھنا اہل کے قلب غیر  
مطہمن کو خدشات کثرت کی کثافت سے صاف کیا۔ اور توحید حضرت واجب الوجود  
کی تصدیق مرحمت فرمائی۔

ایک بار کیا بلکہ متواتر دیکھا ہے کہ حضور کے تصرفات کا عموماً یہی انداز تھا۔ اور اکثر اخوان ملت کی تربیت اپنے اسی صورت سے فرمائی کہ معمولی تقریر کے پردہ میں ان کو فائز المرام کیا اس لئے تعجب کا مقام نہیں ہے کہ ایک آیت کی تلاوت نے مجبو ایسا مکیف کر دیا جس کی محیت میں باہر آ کر عرصہ تک بہوت بیٹھا رہا۔

لیکن حسب دستور بعد عصر بھی قدموی کے لئے حاضر ہونا ضرور تھا۔ اس وجہ سے اسی حالت میں سعادت حضوری حاصل کی۔ تو جناب حضرت نے بہ نظر ترحم فرمایا۔ ”اوگھٹ شاہ“۔ ان بتوں میں ایک دن کو خدا مل جائے گا۔ اور مسکرا کر منہ پھیر لیا۔ اس بشارت سے قلب کو تو اطمینان ہو گیا۔ مگر مسکرا کے منہ پھر لینا ایسا دل آؤ ز انداز تھا جس نے بیقرار کر دیا قریب تھا کہ آہ سرداں خوشنگوار درد کا اظہار کرتی کہ داندھہ مانی افسوس نے ایک گھونسہ مار کر فرمایا۔ ”جاوے۔ ٹھہرہ“۔ میں کمرہ سے باہر آیا۔ اور جوش سرست میں اس عنایت و پروردش کا شکر ادا کرنے لگا۔ کہ

اے خوش آن دم کہ گوش میکردم  
نکتہ از لب شکر شکنت

اس موقع پر مامون حافظ عبدالجید صاحب اور بھائی حافظ ظفر الدین صاحب اور چودھری تخلی حسین صاحب بھی شوق قدموی میں حاضر ہوئے تھے۔ چنانچہ دھرم پور سے روانگی کے وقت جب کہ سرکار عالم پناہ سوار ہونے تشریف لارہے تھے تو یہ لوگ بھی قدموس ہوئے۔ جناب والا نے تھوڑا توقف فرمایا اور ارشاد ہوا کہ۔ ”خط آیا ہے کہ اوگھٹ شاہ چارپائی پر بیٹھتا ہے“۔ ان تینوں غلاموں نے بیک زبان عرض کیا کہ حضور کو یہ اطلاع کسی نے غلط دی ہے۔ پھر جناب والا نے فرمایا کہ۔ ”بچھرائیوں سے خط آیا ہے کہ اوگھٹ شاہ چارپائی پر بیٹھتا ہے اور گرتہ بھی پہنتا ہے“۔ ان لوگوں نے مکروہی عرض کیا کہ قبلہ عالم یہ خبر بالکل خلاف واقعہ ہے۔ حضور نے فرمایا کہ۔ ”ضرور نظر ہے اوگھٹ شاہ

ایسا نہیں ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ لعنت ہے اُس پر جو ایک طریقہ چھوڑ کر پھر اسی کو اختیار کرے۔ اور خادم سے ارشاد ہوا کہ اوگھٹ شاہ کو بلا و۔ میں حاضر ہو تو فرمایا کہ ”دیکھو اوگھٹ شاہ پھر ایوں میں نوک سے رہنا۔“ میں نے عرض کیا کہ حضور نوک سے رہنے کا صحیح مفہوم یہ غلام نہیں سمجھا۔ ارشاد ہوا کہ ”بے لاگ اور بے غرض آن بان سے رہنا۔ کسی سے دب کرنے رہنا۔“ میں قد مبوس ہوا۔ تو فرمایا۔ ”ہمارے ساتھ چلو۔“ اور آپ پاکی میں سوار سندھول روانہ ہوئے۔ ہم لوگ جلو میں چلے۔ مگر مامون صاحب وغیرہ وہیں سے پھر ایوں واپس گئے۔

سندھول کے راستے میں ایک کنو ان ملا۔ جس کا قطر اتنا بڑا تھا کہ آٹھ مونٹھ بیک وقت جاری تھے۔ یہ دیکھ کر نور محمد شاہ خادم خاص نے عرض کیا کہ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ اس اندازہ پر آٹھ پر چل رہے ہیں۔ آپ نے پاکی سے اتر کر دیکھا اور یہ فرمایا کہ فوراً سوار ہو گئے کہ ہم نے اس سے بڑا اندازہ دیکھا ہے۔

ہم نافہمون کو اس کا اور اک بھی نہیں ہوا کہ معمولی چیز دیکھنے کے لئے حضور نے کیون تکلیف فرمائی۔ لیکن بعد کو ظاہر ہو گیا کہ نہ وسیع کنو ان ملاحظہ فرمانا مقصود تھا۔ نہ یہ غرض تھی کہ آٹھ پر چلنے کا تماشا دیکھیں بلکہ ایک ازلی ارادتمند کی حمایت منظور تھی۔ کیونکہ جس طرح یہ مصدقہ ہے کہ بروز یثاق منعم حقیقی نے قلب عشق کو جو ہر محبت و دیعت فرمایا۔ بقول۔

سلطانِ ازل گنجِ غمِ عشق بہادر

تاروئے درین منزل ویرانہ نہادیم

اسی طرح یہ بھی مسلمہ ہے کہ ہادیان راہِ حق نے عالم ارواح میں جن کی ہدایت فرمائی ہے اُن کے وہ ہمیشہ نگران حال رہتے ہیں۔ اور وہ مسترد دین جب عالم اعیان میں آتے ہیں تو بلحاظ اتحاد قدیم اُن کو بھی دست گیر کے ساتھ ارادت ہوتی ہے۔ اور انکا فطری جوش زبان حال سے کہتا ہے۔ بقول

دراز دل دادہ است مار ساقی لعل بہت جرم جام آن جامم ہنوز

اور ان کو ہادی کامل اس عالم میں بھی مدد و معاون ہوتا ہے۔ اور حصول رضاۓ حق کی ہدایت فرماتا ہے۔ اور اپنے فیضان باطنی سے مستفید کرتا ہے۔ جیسا کہ حضور نے اپنے ایک ازی حلقہ بگوش کے لئے یہ اہتمام فرمایا کہ بمصدق۔ ”کُلُّ أَمْرٍ مَوْهُونٌ بِأَوْقَاتِهَا“۔ جب اس کی ہدایت کا وقت آگیا۔ پاکلی سے اترے۔ اور کنوین پر کام کرنے والے مزدوروں میں سے اس کو نکال کر اپنے قتل عاطفت میں لیا۔ اور وہ ذی ہوش بھی اتحاد و یگانگت کے جوش میں اپنی حقیقی رہنمائی کی جانب رجوع ہو گیا۔

چنانچہ اپنی آنکھوں سے یہ کرشمہ دیکھا کہ جو لوگ پُر چلا رہے تھے۔ اور سب تو اُسی کام میں مشغول رہے۔ لیکن اُن میں سے ایک شخص جو قوم کا راجپوت تھا کام چھوڑ کر آیا اور ہم لوگوں کی طرح پاکلی کے ساتھ چلا۔ سندھول پہنچ کر اس نے نہایت پر جوش لہجہ میں مجھ سے کہا کہ میان صاحب محبوب بھی گرو مہاراج کا چیلا کرا دو۔ میں اس کو خدمت والا میں لایا۔ اور اس کی استدعا کا اظہار کیا۔ حضور مسکرائے۔ اور اُسی وقت اُس کی بیعت لی اور فرمایا۔ ”جاوہر ید ہو گئے“۔

چونکہ مشتا قان جمال وارثی کا ہجوم تھا۔ اور بکثرت اہل عقیدت داخل سلسلہ ہو رہے تھے۔ اس لئے میں دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ اور ہر ایک حلقہ بگوش کو شجرہ دینے لگا۔ بلکہ با بونکنیا لال صاحب بھی میرے ساتھ اسی انتظام میں مصروف تھے کہ ناگاہ وہی ہندورا جپوت میرے پاس آیا۔ اور کہا کہ یہ کاغذ محبوب بھی دو۔ میں نے کہا تم اس کو کیا کرو گے۔ اُس صادق الارادت نے بر جستہ کہا کہ قیامت کے دن جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تو بھی مرید ہوا تو میں یہ کاغذ اس کے ہاتھ میں دیدوں گا۔ کہ دیکھ لے با بو صاحب موصوف نے کل شجرے میرے ہاتھ سے لے کر اس کو دے دیے۔ اور مکیف ہو کر کہنے لگے کہ ایسے ہی عقیدت شعار حلقہ بگوش شجرہ رکھنے کے مستحق اور سزاوار ہیں۔

الغرض جس طرح دہرم پور میں ہزاروں عقیدت آئین خل جمایت وارثی میں پناہ گزین

ہوئے اسی طرح سندھول میں سکڑوں اہل ارادت شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ بالآخر حضور اترولی ریلوے اسٹیشن سے سوار ہو کر علی گڑھ تشریف لائے۔ اور بالائے قلعہ حافظ حسن خان صاحب کے مکان میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں بھی مریدین و معتقدین کا ہجوم تھا۔ بلکہ وہ مشتا قان زیارت جوبے خبری کی وجہ سے دھرم پور اور سندھول میں حاضری سے قاصر رہے تھے۔ اب جناب حضرت کی تشریف آوری کی شہرت سنکر پرواہ وار۔ اترولی۔ ڈبائی۔ اونٹ گھر۔ چونڈیرہ۔ قادرے باغ وغیرہ سے آئے۔ اور سلسلہ وار شیہ میں داخل ہوئے۔

چنانچہ تم روز علی گڑھ میں فیضان وارثی نے خلق اللہ کو مستفید فرمایا۔ جب حضور اقدس نے ہاترس جانے کا عزم کیا تو مجکو بھی رخصت فرمایا۔ اور قدموں ہو کر میں بچھرا یون واپس آیا۔ اور اسی مسجد میں آ کر بچھر تہنازندگی بسر کرنے لگا۔ البتہ اس دلچسپ سفر کی یاد شب تہباں میں ضرور مونس و غم خوار تھی۔ کہ حضور کے غیر معمولی تصرفات اور قابل یادگار واقعات کا خیال کرنے سے اکثر یہ حال ہوا کہ پہردن ساکت و صامت بیٹھا رہتا تھا۔

چنانچہ اس سفر کے بعد سے یہ حالت ہو گئی کہ آنکھوں کو کوئی سیر و تماشا پسند نہیں آتا تھا۔ ہر وقت وہی منظر پیش نظر تھا۔ جو حضور کی بدولت دھرم پور کی سیاحت میں دیکھا آیا تھا۔ ہر چند بخیال لبستگی بعض بزرگوں کی خدمت میں حاضر بھی ہوا۔ مگر کسی صورت سے تسلیم نہ ہوئی۔ بقول

شربت درد تو ہر خستہ کہ نوشید دے

التفات بہ مسیحا و دم او نکد

اسی انتشار میں دن رات زندگی بسر ہوتی تھی اور یہی خیالات اسقدر استوار ہو

گئے تھے کہ کسی وقت دل کو قرار نہ تھا۔ مگر والد ماجد کا عرس قریب آگیا تو حسب معمول اس کے انصراف میں مصروف ہوا۔ اور بوجہ اس مرتبہ تاریخ معینہ میں بھی اسقدر ترمیم ہوئی

کہ بجائے قمری مہینہ کے ششی مہینہ اختیار کیا۔ چنانچہ ۱۳۱۹ھجری کا عرس کیم چیت مطابق ۲۷  
محرم سے شروع ہوا۔ اور امداد غیری سے ہر سال اس عرس میں کچھ نہ کچھ ترقی ضرور ہوئی۔ اور  
اب یہاں تک شہرت بھی ہو گئی کہ بعض مشائخین بھی شریک ہونے لگے۔ اور میرے اعزاء و  
احباب بھی دلچسپی لیتے تھے۔ حتیٰ کہ اس عرس میں تین روز مہمازداری کے ساتھ قوالی بھی  
ہوئی۔ اور ۳۱ رجیت مطابق ۲۶ محرم کو یہ تقریب ختم ہوئی۔

اسی اثنامیں معلوم ہوا کہ نور محمد شاہ خادم خاص عہدہ خدمت سے معزول ہو گئے۔

اور فیض شاہ صاحب جو ماتحت تھے ان کے قائم مقام ہوئے اور سبب معزولی یہ ہوا کہ کچھ  
عرصہ سے وہ طامح اور حریص اسقدر ہو گئے تھے کہ ناگفتہ بہ ہے اور باوجود متواتر فہمائش کے  
اس خصلت سے بازنہ آئے۔ اور نہ یہ خیال کیا۔

جہان فانی و کارش جملہ فانی

چھے کار آیذ ترا گنج و خزانہ

آخر ایک روز سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ دیکھو نور محمد شاہ یہ مشہور مقولہ ہے  
کہ یار سے دغا اور گرو سے چوری یا ہواند ہایا ہو کوڑھی۔ مگر اس اسیر دام حرص و آز نے  
اس ہدایت کے بعد بھی اپنے اخلاق ذمیمہ کو درست کرنے کی کوشش نہ کی۔ جس کا نتیجہ  
یہ ہوا کہ ان کا خون مختڑک ہو گیا۔ اور چہرہ پر تینج روز بروز بڑھنے لگا۔ اُس وقت  
آنھوں نے مجبوراً اپنے افعال قبیح سے توبہ کی۔ اور شاید اُسی شب کو یہ خواب دیکھا کہ  
سرکار عالم پناہ نے ملکو ایک دریا میں غوطہ دیکر نکالا تو جسم کی وہ سوزش اور تکلیف بھی  
جاتی رہی۔ اور ہاتھ پاؤں کا ورم بھی اُتر گیا۔

چنانچہ اس خواب کی ہی تعبیر بھی ظاہر ہو گئی کہ دو ہفتہ میں وہ احتراطی حالت معمولی  
علاج سے جاتی رہی۔ لیکن پھر کچھ عرصہ کے بعد ”کاسہ چشم حریسان پر نشد“ کا مضمون صادق  
آیا کہ نور محمد شاہ پھر نفس کے دام تزدیر میں گرفتار ہوئے۔ اور حسب عادتِ قدیم ان سے

پھر وہی حرکات سرزد ہونے لگے۔ جن کی پاداش بھی فوراً ہو گئی۔ اور چند ہی روز میں پھر وہی آزار رونما ہوا۔ اور احتراطی مادہ عود کر آیا۔ بلکہ اس مرتبہ کوئی علاج مفید نہ ہوا۔ اور عارضہ میں روز بروز ایسی ترقی ہوئی کہ پاؤں کی انگلیاں شق ہو گئیں۔ اور دونوں ہاتھ بھی خراب ہو گئے۔ بد نام بھی ہوئے اور مایہ میں نہ رام۔ بقول

خیال جہان از دولت دور کن

بکارت نیا یہ گہے حرص و آز

چونکہ یہ بھی معمول تھا کہ خادم خاص کھانا کھلانے میں شریک ہو۔ اس حیثیت سے نور محمد شاہ روز مرزا دستر خوان بچھاتے تھے۔ اور ہر ایک کھانے میں انکا ہاتھ بھی لگتا تھا۔ یہ دیکھ کر دیگر خدام کو عوماً اور مرزا برائیم بیگ شیدا۔ اور قاضی بخشش علی صاحب کو خاص طور پر بلحاظ بشریت خیال ہوا اور بہ نظر احتیاط چند مرتبہ جناب حضرت سے ملت میں ہوئے کہ دیگر خدمات اگر یہ انجام دین تو ہم کو عذر نہیں۔ لیکن کھانا کھلانے میں جو شریک ہوتے ہیں یہ ہم لوگوں سے نہیں دیکھا جاتا۔

ان کی تسلیم کے واسطے کبھی تو جناب والا نے یہ فرمایا کہ عارضہ کو متعددی نہ خیال کرو اور کبھی ارشاد ہوا کہ معمر شخص کو یہ عارضہ نہیں ہوتا۔ اور کبھی ان کی دلジョی اس طرح بھی کر دی کہ فرمایا آئینہ سے کھانا کھلانے میں یہ شریک نہ ہونگے۔ لیکن اس حکم کا عملدرآمد نہ ہوا۔ اور بستور نور محمد شاہ اپنی خدمت پر مامور رہے۔

آخر ایک روز یہ دونوں غلام دست بستہ کھڑے ہوئے اور آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ حضور یہ درخواست منظور فرمائی جائے کہ نور محمد شاہ کل کام کریں۔ صرف دستر خوان کے قریب نہ آئیں۔ چونکہ یہ عرض داشت مشتمل ہے نفاسیت نہ تھی بلکہ عین محبت سے تھی اس لئے قبلہ عالم نے اسی وقت نور محمد شاہ کو نکال دیا۔ مگر ان کی خدمت کسی دوسرے خادم کو تفویض بھی نہیں فرمائی۔ تاہم یہ لوگ خوش ہو گئے۔ اور نور محمد شاہ

تمام دن بصورت مجرم باہر بیٹھے رہے۔

ناگاہ عصر کے وقت حکم ہوا کہ نور محمد شاہ کو بلا لو۔ سب کو حیرت ہو گئی۔ اور ابھی بشكل ملزم جو باہر بیٹھے تھے۔ وہ اندر آئے۔ اور اپنا فرض منصبی ادا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن شید امیان اور قاضی صاحب کو یہ خیال ہوا کہ ہماری استدعا قطعی معزول کرنے کی نہ تھی۔ اس لئے دیگر خدمات کیواستے بلائے گئے ہیں۔ درخواست صرف اس قدر تھی کہ دسترخوان کے قریب نہ جائیں۔ وہ شاید منظور ہو گئی ہو۔ اور اب کھانا کھلانے میں یہ شریک نہ ہونے پائیں گے۔

لیکن شب کو جب خاصہ آیا تو نور محمد شاہ نے حسب معمول کھانا کھلایا۔ یہ دیکھ کر شید امیان اور قاضی صاحب کو سخت تکلیف ہوئی۔ مگر اس وقت پاس ادب خاموش ہو رہے۔

یہ بھی قاعدہ تھا کہ شب کو بارگاہ وارثی میں علاوہ ہر دو خدام متعینہ کے ایک یا کبھی دو خادم اور بھی ضرور رہتے تھے۔ جن کا کام یہ تھا کہ سرہانے بیٹھ کر کوئی تاریخی واقعہ بیان کریں۔ یا حضور نے کوئی بات کی تو اس کا جواب دین۔ گویا شب کے خادم یہی لوگ ہوتے تھے، اور چونکہ روز شب کی بھی خدمت تھی۔ اس لئے مزاج دانی بھی انھیں حضرات کا حصہ تھا۔ اور اس خدمت روزانہ کے لئے تین چار ہی خدام مخصوص تھے۔ منجملہ ان کے شید امیان اور قاضی بخشش علی صاحب بھی تھے۔ اتفاق سے اس شب کو سرکار عالم پناہ نے انھیں دونوں کو حاضری کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام رات نہایت مستعدی سے انھوں نے اپنی خدمت بھی انجام دی۔ اور باہم یہ بھی تجویز کیا کہ صبح کو اس کا بھی قطعی تصفیہ کر لیا جائے۔ کہ نور محمد شاہ ہرگز دسترخوان کے پاس نہ جائیں۔

صحیح کو بھی یہ لوگ اپنی مقررہ خدمت میں مصروف رہے۔ اور جب حضور ناشتا کر چکے تو یہ دونوں غلام ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے۔ اور عرض کیا کہ ہم کو رخصت کر دیا جائے۔ ارشاد ہوا۔ ”کہاں جاتے ہو؟“۔ عرض کیا اپنے اپنے گھر۔ فرمایا۔ ”کیون جاتے ہو؟“۔ عرض کیا

ہم سگ دنیا ہیں۔ باعتبار بشریت یہ نہیں دیکھ سکتے کہ جس کھانے کو مجذوم ہاتھ لگائے۔ اس کو آپ تناول فرمائیں۔ حالانکہ خود نور محمد شاہ کو احتیاط لازم تھی۔ مگر خود غرضی سے وہ خیال نہیں کرتے۔ اور نہ آپ ہماری استدعا منظور فرماتے ہیں۔ لہذا اب ہم کو تحمل نہیں۔ اس لئے مجبوراً اپنے گھر جاتے ہیں کہ نہ یہاں ہون گے نہ ان کی یہ بدعنوایی دیکھیں گے۔

سرکار عالم پناہ تھوڑا غور کرنے کے بعد کھڑے ہو گئے۔ اور دونوں غلاموں کو سینہ سے لگالیا اور فرمایا کہ ”تم نے ہمارے واسطے دین و دنیا کو چھوڑا“۔ اور یہ بھی محبت کا تقاضا ہے جو کہتے ہو کہ وہ کھانا نہ کھلائیں۔ اچھا اب نہ کھلائیں گے۔ اور فیضو شاہ سے ارشاد ہو اکہ تھیلا لیلو۔ اور نور محمد شاہ کو ہٹا دو۔ چنانچہ فیضو شاہ نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔

اس تھیلے میں حضور کا خاص اسباب رہتا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک کنگھا۔ ایک سرمه دانی۔ ایک سلانی۔ اور چند مٹی کے ڈھیلے۔ اور سینک کے خلاں۔ اور ایک دو قسم کا چورن۔ یہی تھیلا جس خادم کے پاس ہو، یہی خادم خاص کے لقب سے موصوف ہوتا تھا۔ چنانچہ اب تھیلا فیضو شاہ کو مل گیا۔ لیکن معمولاً دوسرے خادم کی بھی ضرورت تھی۔ جس کے لئے مختلف تجویزیں پیش ہوئیں۔

شاہ فضل حسین صاحب اور شیدا میان نے یہ گزارش کی کہ او گھٹ شاہ کو بلا یا جاوے۔ سرکار نے فرمایا کہ وہ اپنے باپ کی قبر پر رہتا ہے۔ اور یہاں کی زبان بھی وہ نہ سمجھے گا۔ پھر ابو الحسن شاہ اور بگڑے دل شاہ کو تجویز کیا۔ حضور نے یہ رائے بھی ناپسند فرمائی۔ مگر فیضو شاہ چونکہ تنہا تھے اس لئے شیدا میان و قاضی صاحب ان کے شریک رہے اور کچھ روز تک یونہیں کام چلا۔ لیکن حضور نے دوسرا خادم کسی مصلحت سے مقرر نہیں فرمایا خادم خاص صرف فیضو شاہ رہے۔ اور دروازہ پر نعمت علیشاہ رہتے تھے۔ مگر کوئی مخصوص خدمت ان کو تفویض نہیں ہوئی تھی۔

اسی زمانہ میں شاہ فضل حسین صاحب نے یہ کل حالات ارقام فرمائے۔ اور مجھ کو

طلب کیا۔ کہ خدمت میں رہو۔ میں نے جواب میں مدد حکومگارش کیا۔ کہ اول تو بزرگوں کا فرمودہ ہے کہ ”زدیکان را بیش بود جیرانی“۔ دوم سرکار عالم پناہ کی زبان اقدس سے نہ ہے کہ خدمت میں اندھا بنا کے رکھتے ہیں۔ لہذا میں خادم خاص ہونے سے ڈرتا ہوں اور ہمیشہ یہی استدعا ہے کہ جس طرح غلام بنایا ہے۔ اسی طرح غلام بنا کے رکھیں۔ اور انشاء اللہ عنقریب زمانہ میلہ کا تک میں حاضر خدمت ہو کر اس کے متعلق زبانی عرض کروں گا۔

چنانچہ ۱۶ صفر ۱۳۲۰، ہجری کو میلہ کا تک میں حاضر ہوا۔ تو یہ کرشمہ قدرت دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہی نور محمد شاہ کل جن کا مزاج نہیں ملتا تھا۔ آج ایک تیل کے یہاں پڑے ہیں۔ اور اس قدر کسی پرسی کی حالت ہے کہ ان کا سلام کوئی نہیں لیتا۔ یہ انقلاب دیکھ کر میرا خیال اور مضبوط ہو گیا کہ واقعی خادم خاص بنکر خدمت کا فرض کما تھے، ادا کرنا بہت دشوار ہے۔ لیکن وہ شوق روز افزون تھا کہ درِ دولت پر حاضر ہوں۔ بلکہ اس مرتبہ رخصت ہوا تو پچھرائیوں جانا شاق گزرا کہ ایک دن کافر اُبھی گوارانہ تھا۔ اور حسرت یہ تھی کہ صحیح و شام آستانہ اقدس کی دید ہوتی۔ اور عمر یو ہیں تمام ہو جاتی۔ بقول جامی علیہ الرحمۃ۔

جز سرِ کویش من دیوانہ رامسکن مبار

بُلبل بے خانمان راجائے جز گلشن مبار

لیکن قربان جائیے کہ حضرت وارث پاک نے بندہ نوازی کی یہ شان دکھائی کہ ۱۳۲۰ھ میں شاہ ولایت صاحب کے عرس میں جب حاضر ہوا۔ اور بدستور قدیم درگاہ میں قیام کیا تو چھر روز کے بعد جو میری رخصتی کا وقت تھا آقائے نامدار نے میرے حق میں یہ حکم صادر فرمایا کہ درِ دولت پر حاضر رہو۔ یہ منہ مانگی مُراد پاک کر بے حد مرمت ہوئی۔ بقول۔

پايم نميرسد بزميں دیگراز نشاط

تساوائے من بلطف و عنایت تو دیده

اسی کے ساتھ یہ حکم ہوا کہ بستر بھی در دو لت پر لگاؤ۔ چنانچہ اسی روز صدر در روازہ کے قریب پہلی ڈیوڑھی میں بستر بچھایا جس کے جنوبی سمت جو کمرہ تھا اس میں رحیم شاہ صاحب رہتے تھے اور میرے بستر کے پائیں شمال کی طرف نعمت علی شاہ کا بستر تھا۔ اب کوئی غم نہ رہا۔ اور اطمینان ہو گیا کہ۔

دی جگہ در پہ شاہ وارث نے

ورنہ او گھٹ کہاں ٹھکانا تھا

پہلے مجھو خدمت مہمان نوازی مرحمت ہوئی کہ زائرین کے قیام اور ان کے آرام کا انتظام کروں۔ ان کی آسائش کے لئے روشنی اور پانی وغیرہ موجود رہے۔ صبح و شام ان کو کھانا پہنچاؤں۔ اور جوارا دتمند حلقة غلامی میں داخل ہو اُس کو خدمت والا میں پیش کروں۔ لیکن دو ہفتہ کے بعد مساکین کو روزانہ جو غلہ تقسیم ہوتا تھا اُس کا انصرام بھی مجھو تفویض ہوا۔ اور اب تمام دن انھیں خدمات میں مصروف رہنے لگا اور اپنی قسمت پر خود ناز کرتا تھا۔ بقول۔

خاک قدم دوست شدم نیست کے را

این عیش کہ امر و زمرا در قدم او است

ایک روز پانی بر سا تھا اور ابر کی وجہ سے رات کو تاریکی زیادہ تھی اور مہمانوں کو آمد و رفت میں بہت تکلیف ہوئی۔ کیونکہ صحن دولت سرائے میں اور صدر در روازے کے باہر روشنی کا قطعی انتظام نہ تھا۔ دوسرے روز جب اُس کی شکایت حضور نے سنی تو یہ خدمت بھی مجھ فقیر کو مرحمت ہوئی۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک چوبی ستون لاٹھیں کیواں سطھن مکان میں اور ایک صدر در روازہ کے باہر پائیخانہ کے قریب اس انداز سے گاڑا جس کی روشنی ہر چہار جانب ہو۔ اور ان پر لاٹھیں نصب کر دی۔ رات کو جب انھیں روشن کیا تو سب کو یہ انتظام پسند آیا۔ مگر فیضو شاہ صاحب کو یہ روشنی شاید خوشنگوار نہ معلوم ہوئی۔ یا کسی اور

وجہ سے جناب والا کی خدمت عالی میں عرض کیا کہ جو بات بھی نہ ہوئی تھی وہ شروع کی گئی اور جدید تنظیم نے لائین رکائی ہے۔ حضور نے مجکو بلا کر دریافت کیا۔ میں نے اُس کی ضرورت ظاہر کی۔ اور صحنِ مکان میں جو لائین روشن تھی وہ دکھائی۔ چونکہ اُس وقت خفیف بارش ہو رہی تھی۔ اور ابر غلیظ تھا۔ اُس تاریکی میں وہ روشنی نہایت خوشنا معلوم ہوتی تھی۔ حضور نے فرمایا۔ ”یہ تمہاری ایجاد ہے“۔ میں نے عرض کیا کہ ایک لائین باہر بھی رکائی ہے۔ فرمایا۔ ”چلو اُس کو بھی دیکھیں“۔ ہر چند خدام نے بارش کا اعذر کیا۔ مگر قبلہ عالم صدر دروازہ تک تشریف لائے اور باہر کی لائین دیکھ کر ارشاد ہوا کہ۔ ”اب مہمانوں کو بہت آرام ملیگا“۔

الغرض جب سرکار عالم پناہ کی منظوری ہو گئی۔ تو پھر کسی خادم نے روشنی کی نسبت کبھی اعتراض نہیں کیا۔ اور میں وقت اور موقع کے لحاظ سے جہان اور جس قدر روشنی کی ضرورت دیکھتا تھا اُس کا انتظام کرتا تھا۔

ایک روز قبلہ عالم نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ خطوط لائے۔ میں نے عرض کیا کہ ہر پرشاد چٹھی رسان لاتا ہے وہ ابھی آیا نہیں۔ ارشاد ہوا کہ۔ ”تم ڈاکخانہ جا کر لاو“۔ میں فوراً گیا اور حضور کے نام جس قدر خطوط آئے تھے لا کر خدمت والا میں پیش کئے جناب حضرت بیٹھ گئے اور خطوط لیکر فرمایا۔ ”انتنے خط آئے ہیں“۔

چونکہ اس زمانہ میں ظہور اشرف میان چٹھی رسان سے خطوط لیکر بے ترتیب طریقہ سے انکا مفہوم سنادیا کرتے تھے۔ اسی خیال سے وہ بھی آئے۔ اور خطوط لینا چاہے۔ مگر سرکار عالم پناہ نے بجائے ان کے خطوط میرے ہاتھ میں دیدیے۔ اور ایک خط ملاحظہ فرمانے لگے۔ اُس روز سے یہ خدمت بھی مجکونصیب ہوئی کہ روزانہ ڈاکخانہ سے خطوط لا کر خدمت والا میں پیش کرتا تھا۔ اور جس خط کے جواب میں جو ارشاد ہوتا تھا وہ لکھ دیا کرتا تھا۔ عرصہ تک تو یہی صورت رہی۔ مگر پھر حضور نے فرمایا کہ۔ ”تم پڑھ کر خلاصہ اس کا سنادیا کرو کہ کس کا خط ہے اور کیا مضمون ہے“۔ چنانچہ کچھ روز یہ طریقہ رہا کہ مفہوم خط سنکر جواب میں ارشاد ہوا۔ وہ لکھ دیا کرتا

تھا لیکن بعد کو یہ قاعدہ بھی عارضی ثابت ہوا۔ کیونکہ پھر مضمون سنکریہ فرماتے تھے کہ جواب لکھ دیں جواب لکھ کر سنا دیا کرتا تھا۔

چونکہ عموماً خدام کا یہی کام تھا کہ ہم وقت حضور کی طبیعت بہلانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور اگر کسی کی باتوں پر یا کوئی دلچسپی کا سامان کسی نے ایسا پیش کیا کہ قبلہ عالم نے قسم فرمایا۔ تو اس آن واحد کے مسکرا نے کوہ خادم اپنی عین کامیابی اور سرمایہ خرید مبارکات سمجھتا تھا۔ جو محبت کا خاص تقاضا ہے اسی خیال سے میرا بھی یہ معمول تھا کہ شب کو جناب والا جب خاصہ نوش فرماتے تھے تو شمعدان لیکر سامنے حاضر رہتا تھا اور بعض مجازیب کا تذکرہ یا قلندرانہ مذاق کے جملے عرض کرتا تھا۔ تا کہ حضور محفوظ ہوں اور دلجمہ زیادہ تناول فرمائیں۔ کیونکہ غذا آپنے بہت کم کر دی تھی۔ اور وفور ضعف سے چلنے میں پاؤں کو اغزش ہوتی تھی۔

میں نے یہ بھی اختیار کیا تھا کہ ایک بجے دن کو چونکہ اکثر تخلیہ رہتا تھا اُس وقت سرکار عالم پناہ کی دبستگی کے واسطے مشائخین نظام کا عاشقانہ کلام سناتا تھا۔ چنانچہ ایک روز والد مرحوم کی غزل جس کا مطلع یہ ہے۔

ما کافر عشقیم دگر کار نہ داریم

از کفر و ز اسلام سر و کار نہ داریم

پڑھنا شروع کی تو حضور نے پہلا شعر سنکر اپنا دست مبارک بلند کیا۔ اور فرمایا کہ یہ کس کی غزل ہے۔ عرض کیا کہ والد مرحوم نے لکھی تھی۔ ارشاد ہوا۔ ”وہ فقیر تھے۔“

لیکن خواجہ امیر خسر و علیہ الرحمة کا کلام حضور کو زیادہ پسند تھا۔ بلکہ اکثر یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”مرید ہو تو ایسا ہو۔“ جیسے امیر خسر و اپنے پیر کے مرید صادق تھے۔ مگر پیر کو بھی لازم ہے کہ ایسے خلوص و محبت سے مرید کی نگرانی کرے کہ ماٹین پیر و مرید جا بغيرت نہ رہے۔ اور باہم اتحاد بلکہ عینت ہو جائے۔ کیونکہ پیر و مرشد کا رشتہ ایسا ہے جیسے باپ اور بیٹا۔ یا أستاد اور شاگرد۔ یا شوہر اور بیوی۔ جو محمد اور باہم خیر انداز ہوتے ہیں۔

یہی صورت پیر و مرید کی ہے۔ پیر کی عنایت و شفقت ہی سے مرید کے دل میں اطاعت و محبت کا ماذہ پیدا ہوتا ہے۔ اور بالآخر یہی اطاعت و محبت اس کو فائز المرام کرتی ہے۔

پیر و مرید کو اگر باپ اور بیٹا قیاس کیا جائے تو اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھو کر وہ مجازی باپ ہے۔ اور پیر روحانی باپ ہے۔ وہ جسمانی نشوونما کے واسطے اگر لذیذ غذا میں کھلاتا ہے تو یہ روحانی عروج و ترقی کیلئے نہماں معنوی سے پروردش کرتا ہے وہ ہر وقت اگر امراض جسمانی سے محفوظ رکھتا ہے۔ تو یہ ہر آن ان غواصے شیطانی سے نگہداشت کرتا ہے۔ بیٹا اپنے باپ کے اموال ظاہری کا مالک ہوتا ہے۔ مرید اپنے پیر کے علوم باطنی کا مستحق ہے جس طرح بیٹا اپنے باپ کی نشانی ہے اسی طرح مرید اپنے پیر کی زندہ یادگار ہے۔

اور اگر پیر کو بجائے استاد اور مرید کو بمنزلہ شاگرد تصور کرو تو یہ تمثیل بھی صادق آتی ہے کہ استاد اپنے فنون سفینہ سے شاگرد کو فائدہ پہنچاتا ہے اور پیر علوم سینہ کے فیوض و برکات تفویض فرماتا ہے۔ یہ استاد مجازی ہے جو شاگرد کو علوم ظاہری سے ماہر کرتا ہے۔ اور پیر چونکہ معلم حقیقی ہے وہ مرید کو معنوی تربیت سے شاستہ بناتا ہے۔ جس طرح مجازی استاد کی تعلیم سے مختلف لغات معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح حقیقی معلم کی توجہ نکات حقیقت اور رہنمای معرفت سے آگاہ کرتی ہے۔ مجازی استاد کی عنایت سے شاگرد روشن خیال ہوتا ہے۔ حقیقی استاد کی ہدایت سے مرید کا مکدر قلب نورانی ہوتا ہے۔ استاد بھی اپنے شاگرد کی نگرانی کرتا ہے اور پیر بھی اپنے مرید کا معاون و دستگیر رہتا ہے۔

دست پیر از غائبان کو تاہ نیست

دست او جز قبضہ اللہ نیست

علی ہذا زن و شوہر کا اتحاد اور پیر و مرید کا تعلق بھی تقریباً یکسان۔ اور بہت مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس طرح باہم میان اور بیوی، ہم راز ہوتے ہیں۔ اسی طرح پیر و مرید کی

حال سے خبردار اور مرید پیر کارازدار ہوتا ہے۔ بلکہ ظاہر ہے کہ جب تک زن و شوہر میں حباب رہتا ہے۔ نکاح کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وہی صورت پیر و مرید کے تعلقات کی ہے کہ جب تک مرید محبوب ہے۔ پیر کے فیوض و برکات سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ اور یہ حباب درحقیقت خود پرستی کا نام ہے۔ البتہ اس حباب غیریت کو صرف محبت کا ہاتھ اٹھا سکتا ہے اور جب یہ حباب اٹھ جاتا ہے تو مرید کو تصدیق ہو جاتی ہے اور جوش وجد میں زبان حال سے کہتا ہے۔

ماکہ از عین الیقین حق الیقین رادیدہ ایم

از دلیل ظنی و تشکیل بربان فارغیم

اور یہ تو مسلم ہے کہ محبت کا نتیجہ آخري عیت ہے جس کی شہادت خواجہ امیر خسرو کی حالت سے بخوبی ملتی ہے۔ کہ صرف ان کے خلوص نے ان کو اس مرتبہ پر پہنچایا کہ آج پیر پرست ہونیکا مخصوص شرف بھی ان کو حاصل ہے۔ اور مرید صادق کا ممتاز خطاب بھی ان کے نام نامی کے ساتھ ضم ہے۔ لیکن

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشند خدائے بخشندہ

ایک روز خدمات مقررہ کی انجام دہی میں مشغول تھا کہ حضور نے مجکو دیکھا اور از راہ بنڈہ نوزی فرمایا کہ۔ ”تم اپنے والد کا عرس کراؤ۔“ میں نے بکمال ادب عرض کیا کہ ابتداء میرا یہ خیال تھا کہ جب تک پچھرائیوں میں رہوں گا عرس بھی کروں گا چونکہ اب میرا قیام وہاں نہیں ہے۔ اس لئے عرس کے انتظام سے بھی مجکو کوئی تعلق نہ ہونا چاہیے۔ لیکن حضور نے مکر فرمایا ”نہیں وہ فقیر تھے۔ جاؤ اور عرس کا انتظام کرو۔“ اور خادم خاص سے ارشاد ہوا کہ۔ ”چچپی ہوئی چادر ہو تو لاو۔“ فیضو شاہ نے چند چادریں پیش کیے۔ جناب والا نے تین چادریں جنس دو گلابی اور ایک بیجنی رنگ کی تھی یہ فرمائے کہ ”ہماری طرف سے چڑھادیا

چنانچہ ارزیقعدہ کو میں دیوی شریف سے روانہ ہوا۔ اور پھر ایون پہنچکر عرس کا انتظام شروع کر دیا۔ اور حسب معمول ارزی الحجہ کو افتتاح عرس کے روز ایک گلابی چادر سہرا ب شاہ کے مزار پر اور بھنی چادر والد کے مزار پر چڑھادی مگر ایک گلابی چادر باقی رہ گئی کیونکہ اُسوقت تک دو ہی مزار تھے۔ تاہم وہ چادر اس خیال سے میں نے محفوظ رکھی کہ یہ بیکار نہیں آئی ہے۔ ضرور اس میں کوئی راز مستتر ہو گا۔

پیشوائے برحق کی امداد سے یہ عرس بھی نہایت خوبی کے ساتھ ہو گیا۔ بلکہ گذشتہ عرس کے اعتبار سے کسی قدر انتظام زائد کرنا ہوا۔ کیونکہ مہماں بھی زیادہ آئے۔ اور اہل قصبه نے بھی غیر معمولی دلچسپی لی۔ چنانچہ ۱۲ ارزی الحجہ کو قل ہوا۔ اور ۲۰ ارزی الحجہ کو میں دیوی شریف واپس آیا۔ اور بدستور اپنے فرانس منصبی ادا کرنے میں مصروف ہوا۔

لیکن اتفاق سے ۲۸ رب جمادی الاولی ۱۳۲۱ ہجری کو بضرورت ایک ہفتہ کیواسطے پھر ایون پھر آیا۔ تو حافظ علی بخش صاحب نے جو مسجد سہرا ب شاہ کے قریب رہتے تھے۔ اپنایہ خواب مجھ سے بیان کیا کہ ایک شب کو میں نے دیکھا کہ احاطہ کی شرقی دیوار افتادہ کی طرف سے مسجد میں آتا چاہتا ہوں تو مجھو یہ کرشمہ نظر آیا کہ ہر دو مزار کے مابین پکھریا کے درخت کے نیچے ایک درویش تہبند پوش اور گیسو دراز شیر کا تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ شیر مجھو دیکھکر حملہ آور ہوا تو میں بھاگا اور پھر دروازہ کی جانب سے آنے کا قصد کیا تو دیکھا کہ وہی شاہ صاحب اُسی بھیت سے صحیح مسجد میں تشریف رکھتے ہیں۔ اُسوقت میں نے آپ کو پکارا۔ اور آپ مسجد سے باہر آئے تو وہ شیر بھی اور شاہ صاحب بھی اُسی درخت کے نیچے روپوش ہو گئے۔ اور آپ نے کہا کہ ڈرونہیں یہ شاہ صاحب کا مزار ہے اور شیر ان کی سواری کا ہے۔

یہ خواب سنکر دوسرے روز اُسی مقام پر قریب ایک گز عمیق کھدا دیا۔ تو ایک قبر نظر آئی۔ میں نے اسیوقت نانا چودھری حبیب اللہ خان صاحب اور مامون حاجی

اشفاق حسین خان صاحب اور بھائی چودھری ظفر الدین خان صاحب اور مامون چودھری حافظ عبدالجید خان صاحب کو بلا کروہ قبر دکھائی۔ اور مشورہ کیا تو سب نے بالاتفاق کہا کہ اس کو بلند کر کے بنوادینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی قیام الدین صاحب کے خرچ سے وہ قبر بھی بلند کر ادی اور تینوں قبروں کے چہار جانب پختہ چبوترہ بنوادیا اور اسوقت وہ تیسری چادر جو میرے پاس محفوظ تھی اُس نو برآمد قبر پر چڑھا دی۔ اور معلوم ہوا کہ اس میں یہ راز مضمرا تھا کہ جو قبر ہماری آنکھوں سے پوشیدہ تھی۔ وہ حضور کے پیش نظر تھی۔ بقول حافظ علیہ الرحمۃ

مصلحت نیست کہ از پرده بروں افتدر از  
ورنه در مجلس شاہان خبرے نیست کہ نیست

بعد کو دیگر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ہر چند سہراب شاہ قادر یہ سلسلہ کے درویش اور رحمت اللہ شاہ صاحب کے مرید تھے۔ لیکن ان کے سلسلہ چشتیہ کے پیر طریقت کا یہی مزار ہے۔ اور یہ مسجد بھی انہیں کے ساختہ ہے۔

الحاصل ۲/ جمادی الثاني کو دیوی شریف میں حاضر ہو کر شرف قدموی سے مشرف ہوا۔ اور جدید قبر کا ظاہر ہونا بھی خدمت والا میں عرض کیا۔ اور چند ماہ کے بعد اس سال کے عرس کا انتظام بھی اسی طریق سے کیا کہ حسب اجازت جناب حضرت ۳۰ رذیق عدوں کو پھرایا۔ اور بعد اختتام عرس ۱۹ ارذی الحجہ کو دیوی شریف واپس گیا۔

علی ہذا اسی عرس کے سلسلہ میں ۱۳۲۲ ارذی الحجہ کو پھر پھرایا گیا اور حسب دستور ۱۴ محرم سے عرس شروع ہو کر ۱۶ ارتاریخ کو ختم ہوا۔ اور ۱۸ ارتاریخ کو معہ چند اعز اور ان کی مستورات کے پھرایوں سے روانہ ہو کر ۱۹ محرم کو دیوی شریف

میں جس وقت پھو نچا اور خدمت بابرکت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ زکام کی وجہ سے گو نہ حراثت اور کسی قدر آواز بھاری ہے۔ ہر چند یہ شکایت ایسی نہ تھی کہ باعث تردید ہو گر خدام کو غیر معمولی طور پر اور متفلکر پایا تو مجھو بھی یہ خیال ہوا کہ مزاج ناساز ہے۔ مہماںوں کو قدموں کا موقع بہت کم ملیگا۔ اور خصوصاً عورتوں کی حاضری تو یقینی دشوار ہو گی اس لئے جو میرے ہمراہ آئے ہیں ان کا جلد سے جلد واپس جانا مناسب ہے۔ چنانچہ دوسرے روز سب کو رخصت کر دیا۔

چونکہ شید امیان بھی بغرض شرکت عرس پچھرائیوں گئے تھے۔ اس لحاظ سے حضور نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ۔ ”شیدا کہاں ہیں“۔ عرض کیا کہ وہ لکھنؤ میں ٹھہر گئے ارشاد ہوا کہ ”تار دیکر بلا لو“۔ حسب الحکم اسی وقت تار دیا۔ اور رات کی گاڑی سے شید امیان بھی نہایت متوجہ اور منتشر آئے۔ اور تپ میں ترقی دیکھی تو ۲۱ محرم کو مختلف مقامات پر علالت کی اطلاع بذریعہ تار دی گئی۔ اور ۲۲ ربیعہ سے ۲۳ ربیعہ تک پٹنہ سے مولوی محمد تکی صاحب اور جسٹس سید شرف الدین۔ وہ مرم پور سے نواب عبدالشکور خان صاحب علیگڑھ سے بابو کنیالاں صاحب اور حافظ حسن خان صاحب۔ ضلع سلطان پور سے راجہ دوست محمد خان صاحب۔ زمانیہ سے حاجی وصی الزمان خان صاحب آگئے۔ اور علاوہ ان کے جس کو معلوم ہوا کہ حضور کا مزاج ناساز ہے وہ فوراً حاضر ہوا۔ چنانچہ دو روز میں در دولت پر غلامان وارثی کا ہجوم ہو گیا۔ اور سب کی متفقہ رائے سے ۲۳ محرم کو حکیم عبدالعزیز صاحب لکھنؤ سے بلائے گئے اور با قاعدہ علاج شروع ہوا۔

حکیم صاحب نے ذات الجب تجویز کیا اور ایک نسخہ خیساندہ کا اور ایک قیراطی کا لکھا جس کو نواب عبدالشکور خان صاحب نے اپنی نگرانی میں اسی وقت تیار کرایا۔ اور دو اساز متعین کئے۔ بلکہ ہر ایک نسخہ بکمال احتیاط اپنے سامنے بناتے تھے۔ اور یہ سعادت انھیں کو نصیب ہوئی کہ آخر وقت تک اس خدمت کو جناب موصوف نے

انجام دیا۔

لیکن با وجود یکہ وقت خیساندہ بھی استعمال ہوا۔ اور قیر و طی کی متواتر مالش بھی کی گئی۔ مگر کسی قسم کا فائدہ محسوس نہ ہوا۔ بلکہ ۲۲ رتارنخ کو جب بجائے افاقہ کے مرض میں ترقی دیکھی اور ضعف بھی زیادہ ہو گیا۔ اُس وقت حکیم صاحب نے نہایت غور و فکر کے ساتھ نسخہ میں کافی ترمیم کی۔ اور تقویت کیواستے سے پھر کو جواہر مہرہ معتدل بھی کھایا۔ مگر شب کوتپ بدستور رہی۔ اور اخراج بلغم میں بھی کوئی آسانی نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ ۲۵ رتارنخ کو بھی شدائد مرض بدستور رہے تو حکیم صاحب نے خیساندہ کا نسخہ جدید لکھا۔ اور مختلف طور پر خارجی تدبیریں بھی کیں۔ ”مگر روغن بادام خشکی می نمود“، کامضموں پیش آیا کہ بجائے فائدہ کے مرض بڑھتا گیا۔

۲۶ محرم کو مریدین و معتقدین کا در دولت پر اژدهام تھا اور اس مجمع میں چونکہ ہر طبقہ کے لوگ تھے۔ جن میں دس پانچ مقتدر طبیب بھی تھے۔ ان کی رائے یہ ہوئی کہ حکیم عبدالعزیز صاحب حاذق اور تجربہ کار طبیب ضرور ہیں۔ لیکن چار روز کے مسلسل علاج سے جب کوئی افاقہ محسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ روز بروز شدائد مرض میں ترقی ہے اور جس رفتار سے ضعف بڑھ رہا ہے اس کو خطرناک کہا جائے تو یہ جانہ گا۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب دوسرے طبیب سے رجوع کیا جائے۔ ورنہ خدا نخواستہ حرارت عزیزی میں آئیندہ انجطاط ہو ا تو پھر اس کا بھی موقع نہ رہیگا۔

چنانچہ دیگر مقتدر حضرات نے بھی اس رائے کو پسند کیا۔ اور بالآخر خاون ملت نے یہ تجویز کیا کہ حکیم عبدالعزیز صاحب رئیس قصبه مہونا جو نہایت قابل طبیب ہیں۔ اور بلحاظ عقیدت جناب والا کی عیادت کے واسطے حاضر بھی ہوئے ہیں۔ ان کا علاج کیا جائے۔

الغرض اُسی وقت سے علاج تبدیل ہوا۔ غلامان وارثی نے بکمال شکر گزاری

حکیم عبدالعزیز صاحب کو رخصت کیا۔ اور حکیم عبدالجی صاحب نے اس احتیاط سے نسخہ مرتب کیا کہ وہ غلامان وارثی جن کو فن طب میں کافی دسترس تھا۔ اور اپنے اپنے وطن میں مشہور طبیب تھے ان کو بھی شریک کیا۔ اور ہر امر میں ان سے مشورہ کیا۔ اور دو بھی اپنے ہاتھ سے تیار کی جس کے استعمال سے گونہ سکون اُسی روز ہوا۔ اور ۲۸

رہائش کو تو خلاف امید اسقدر افاقہ ہو گیا کہ تپ بھی بہت خفیف آئی۔ اور بلغم بھی با آسانی خارج ہوا۔ یہ دیکھ کر جملہ حلقہ بگوش مسرت کے جوش میں سجدہ شکر بجالائے۔ اور امید ہوئی کہ اب صحت میں ترقی ہو گی۔

اس دوران میں جس طریق سے علاج میں اہتمام بلینگ تھا۔ اُسی صورت سے اس کی بھی کامل احتیاط تھی کہ حضور کے گرد و پیش بجز خدام اور تیمار داروں کے عام لوگ مجتمع نہ ہوں۔ اور تیمار دار بھی زیادہ بلند آواز سے باتیں نہ کریں جو درحقیقت محل آسائش اور باعث تکلیف ہوتی ہیں۔ بدین وجہ یہ انتظام تھا کہ عام طور پر لوگ حاضر نہیں ہو سکتے تھے۔ اور دو روز سے در دولت پر اہل ارادت شوق زیارت میں بیچین تھے۔ لیکن مزاج ہمایوں کے اس افاقہ اور سکون سے ان کو یہ موقع مل گیا کہ خدمت با برکت میں حاضر ہو کر حلقہ غلامی میں داخل ہونے لگے۔

اسی اثنامیں ایک شخص درہ نیبر (افغانستان) کا باشندہ نہایت مضطرب و بیقرار حضور کی خدمت میں پروانہ وار حاضر ہوا۔ بقول

عاشقان سوئے حضر تش بدست  
عقل در آستین و جان بردست

اور آبدیدہ ہو کر زبان پشتو میں کچھ عرض کیا۔ جناب حضرت نے اُس طالب صادق کو تہبند فقر مرحمت فرمایا۔ اور نادر شاہ خطاب عطا ہوا اور ارشاد ہوا کہ

”جاو۔ سیر کرو۔ دوسری صورت نہ دیکھنا“۔ اس حق نیوش نے حالت وجد و جوش میں قدموں ہو کر عرض کیا۔

چگو نہ شکر تو ان گفتہ این کرامت را  
کہ خلعت شہہ عالم بدین گدا بر سد  
قدیم خدام سے معلوم ہوا کہ پہلے بھی یہ طالب را فقر حاضر ہوا تھا اور  
تعاقات دنیا سے دست بردار ہونا چاہتا تھا۔ جناب حضرت نے اس کی بیعت تو لی۔  
مگر خرقہ کی نسبت یہ فرمایا کہ خست کر دیا تھا کہ۔ ”ابھی جاو۔“ تین برس کے بعد آتا۔  
اس وقت تہبند بھی دینگے۔ چنانچہ وہ سالہ مدت اب ختم ہوئی تھی کہ وہ خدا شناس  
پھر حاضر ہوا۔ اور ہمارے صادق الاقرار پیشوائے اپنا وعدہ وفا کیا کہ خلعت فقر اور  
خطاب شاہی مرحمت فرمایا کہ اس کو فائز المرام کر دیا۔

ہر چند اس افغانی کی پہلی حاضری کے واقعات بھی عجیب و غریب ضرور  
ہیں۔ لیکن بخوب طوالت ان کو چھوڑ کر اسی قدر عرض کرتا ہوں کہ اس باخبر اور  
ذیہوش تہبند پوش کا ایک غیر معمولی واقعہ یہ ہے کہ جب خرقہ وارثی پہنکر چلا تو پہلے  
دروازہ تک جاتے ہر شخص نے دیکھا مگر صدر دروازہ پر گو متعدد حضرات موجود تھے  
اور بستی میں اور بستی کے باہر اٹیشن تک آئند ورونڈ کا سلسلہ ایسا تھا کہ تا علالت  
کیوقت بند نہ ہوا۔ مگر یہ تہبند پوش نہ دولت پر کسی سے ملا۔ اور نہ بستی میں کسی سے  
ملاقات ہوئی اور نہ راستہ میں اٹیشن تک کسی نے اسکو دیکھا۔ بلکہ ہنوز یہ نہیں معلوم  
ہوا کہ یہ سیاح زندہ اور کہیں مقیم بھی ہے یا جان بحق تسلیم ہوا۔ چنانچہ سعدی علیہ  
الرحمۃ کا یہ شعر کس قدر اس مفقود اخبر کے حسب حال ہے۔

این مدعاں در طلبش بخیر انند

کا زاکہ خبر شد خبرش بازنہ آمد

۲۹ محرم کو بھی حکیم عبدالحی صاحب کا وہی نسخہ دیا گیا۔ اور جناب والا کی طبیعت چونکہ بشاش دیکھی تو اکثر اہل ارادت حاضر خدمت ہوئے۔ اور راہنمائے برحق نے ان کی حمایت اور دستگیری فرمائی۔ ناگاہ ایک معمر سادہ ہونا نک شاہی بھی حاضر ہوئے اور قد مبوس ہو کر سنکرت میں شاید کوئی اشلوک پڑھا۔ جس کے اثر سے خود مکیف ہو گئے۔

چنانچہ جناب والا نے باوجود اس ضعف و نقاہت کے اُس طالب صادق کو اقرار تو حید اور تلقین استغفار کے بعد اپنے سلسلہ میں داخل کیا اور پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ سادھو بھی نے عرض کیا اے مرشد ذی اساس اس بے بضاعت نقیر کو نیم داس کہتے ہیں۔ لیکن یہ لقب تو مجازی ہے۔ حقیقی نام اس ناچیز غلام کا وہی ہو گا جو حضور تجویز فرمائیں گے۔ بقول

بندہ رانام خویشن نبود  
ہرچہ مارا لقب کنی آئیم

جناب حضرت نے اُس حق شناس کی حالت پر مزید عنایت فرمائی کہ علاوہ وارد تلقی کے اُس کے ظاہری لباس میں بھی تبدیلی منظور ہوئی۔ خادم خاص سے ارشاد ہوا کہ۔ ”تمہندا اور لنگوٹ بھی ان کو دیدو۔“ اور نہایت ضعیف آواز سے اُس عاشق جانباز کو یہ ہدایت فرمائی کہ۔ ”اب تمہارا نام رسول شاہ۔ دنیا کیوں سطے کوئی کام نہ کرنا اور خدا کی محبت میں جان دینا،“۔ چنانچہ اُسی سال طلب اللہی میں رسول شاہ صاحب مکہ معظمہ گئے۔ اور حج بیت اللہ سے مستفیض ہوئے بقول۔

مور مسکین ہو سے داشت کہ در کعبہ رسد  
دست در پائے کبوتر زود ناگاہ رسد  
بلکہ بعد اداۓ حج مدینہ منورہ کے راستہ میں ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ

وصل یار کی جستجو میں اس دارفانی سے ملک جاؤ دانی کو روائے ہوئے۔ سبحان اللہ ایک ساعت کے فیضان صحبت نے خاک سے پاک کر دیا۔ جواں یار میں مسکن گزین ہوئے۔ حیات ابدی پائی۔ بیڑا پار ہو گیا۔ یقین ہے بقول سعدی علیہ رحمۃ اللہ علی ہذا اور متعدد داراء تمند بھی خدمت با برکت میں حاضر ہوئے۔ اور ان

دست در دامن مردان زن و اندیشہ مکن

ہر کہ بانوں نشیدن چہ غم از طوفانش

کو بھی جناب حضرت نے داخل سلسلہ فرمایا۔ لیکن بعد زوال حضور کی طبیعت پھر مضخل اور مذھال ہو گئی۔ حکیم صاحب نے دیگر تداریخ سے اشتداد تپ کو روکنا چاہا۔ مگر انکلی کوئی کوشش موثر نہ ہوئی۔ اور تمام شب مزاج بدستور ناساز رہا۔ ۳۰ تاریخ کو بدستور صبح کے خیاندہ کے ساتھ بعض مفرحات کا بھی استعمال ہوا۔ مگر جب کوئی فکر سودمند نہ ہوئی تو حکیم صاحب مایوس ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ طبیعت استقدار ضعیف ہے کہ دوا اپنا فعل نہیں کرتی۔

اس عرصہ میں حکیم نصیر الدین صاحب وارثی متولن اٹاواہ نے نہایت پر جوش الفاظ میں جملہ حاضرین سے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ شام سے میں یہاں حاضر ہوں۔ اور بار بار یہ خیال گزرتا ہے کہ میں نے فن طب کس دن کے لئے حاصل کیا ہے۔ اگر آج پیشوائے دین کی معمولی خدمت سے بھی محروم رہا تو میری اس معلومات کا عدم وجود برابر ہے۔ لہذا مستدعی ہوں کہ آپ حضرات از راه عنایت مجکو استقدار اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں بھی قسم آزمائی کروں اور ایک نسخہ لکھوں جس کو یہ مقدار معاون بھی ملاحظہ فرمائیں اور بعد ترمیم و اصلاح اگر مناسب متصور ہو تو اس کا استعمال کیا جائے ورنہ چاک کر دیجئے گا۔ حکیم نصیر الدین صاحب کی اس خلوص آمیز تقریر کا ایسا گہرا اثر ہوا کہ اخوان ملت نے بالاتفاق کہا کہ حکیم صاحب آج

بلا افتراق حیثیت ہم غلامان دارثی کو یہ استحقاق مساوی ہے کہ اپنے رہنمائے  
کامل کی صحت و تندرتی کے واسطے جو امکانی کوشش ہو۔ ضرور کریں۔ اس لئے  
ہمارا یہ خیال ہے کہ حضور کی صحت کی نسبت کوئی خدمت ایسی نہیں معلوم ہوتی جو  
ہمارے دوش بدوش آپ نہ کر سکتے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ آپ ہی کا خلوص  
آقائے نامدار کو پسند آجائے۔ اور وہ بندہ نواز صحت ظاہری کی جانب طبیعت  
رجوع فرمائے۔ لہذا ہم خوشی کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ جس طرح آپنے  
اس مبارک خیال کا اظہار کیا ہے اسی طرح بغیر کسی انتظار کے نسخہ کی ترتیب میں  
عجلت فرمائیے۔ بتول

آن دم کہ دل بیشق وہی خوش دے بود  
در کار خیر حاجت ، یعنی استخارہ نیست

چنانچہ حکیم صاحب موصوف نے اُسی وقت ایک نسخہ پینے ایک جوارش  
کا۔ ایک گولیونکا۔ ایک قیر و طی کا۔ ایک لخلخہ کا لکھا۔ جس کے ہر جزو پر حکیم  
یعقوب بیگ صاحب حکیم عبدالجی صاحب۔ حکیم منصب علی صاحب حکیم جمیل الحق  
صاحب نے غور کیا۔ اور ان حضرات کے مشورے سے تھوڑی ترمیم کے بعد ہر  
ایک نسخہ مکمل سمجھا گیا۔ اور فوراً ان کی تیاری کا انتظام ہوا۔ اور بعد عصر پہلی  
خوراک پلا دی گئی۔

اب ہر شخص ہمہ تن گوش برآواز تھا کہ عنقریب یہ مژده سنن گے کہ حکیم  
نصیر الدین صاحب کا علاج موافق مزاج ہوا۔ مگر ہماری بد قسمتی سے معاملہ  
بر عکس ہوا کہ بجائے سکون کے شدائد مرض میں ترقی ہوئی۔ اور وفور رضف سے  
حضور نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اگر کسی وقت کوئی بات کی بھی تو ایسی ضعیف  
آواز سے کہ جس کا سننا اور سمجھنا بھی خدام کو دشوار تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اطمیناً

متقلّر ہوئے۔ اور اکثر تدبیر میں کین مگر کوئی کوشش بکار آمد نہ ہوئی۔

ہر چند شدائد مرض ناقابل برداشت تھے۔ لیکن حضور نے کمال استقلال سے وہی عاشقانہ شان دکھلائی۔ جو آپ کے مسلک کی مخصوص صفت ہے کہ بجز سکوت و تحمل کے آپ کے کسی فعل سے اضطراب و انتہار کا خمنہ بھی اظہار نہیں ہوا۔ بلکہ اطبا نے بھی اگر پوچھا کہ مزاج کیسا ہے تو نہایتطمینان سے ہی ارشاد ہوا کہ اچھا ہے۔ یاد ر دسر یا تشنخ اعضا کو تصریح اور یافت کیا تو قبلہ عالم نے مجملہ بھی کسی تکلیف کا ذکر کبھی نہیں فرمایا۔ اور کسی حالت میں حرف شکایت زبان پر نہیں آیا۔

بلکہ اس علاالت پر موقوف نہیں ہے۔ حضور کا صبر و تحمل ہمیشہ آبائی رضا و تسلیم کا نمونہ رہا ہے۔ اور آپ کے عادات میں ہے کہ کبھی مرض کا اظہار نہیں کیا۔ اور نہ کبھی اس کے درد سے بیقرار ہوئے۔ خدام کو انداز سے اگر کسی تکلیف کا امتیاز ہوا تو بہ اصرار تمام علاج کیا۔ وہی صورت اس علاالت میں پیش آئی کہ حضور نے کسی تکلیف کی تصریح نہیں فرمائی اور اس آخری نسخہ کے استعمال کے بعد بھی جو مرض کی شدت ہوئی۔ اور تدبیر سے اس کا ازالہ نہ ہو سکا تو شاید اس کا بھی یہی سبب ہو کہ شکایات کا کلیہ اکٹھاف نہ ہوا۔ اور اطبا مجبور ہو گئے۔ حتیٰ کہ حرارت عزیزی سرعت کیا تھا انحطاط پذیر ہوئی اور امید صحیح منقطع ہونے لگی۔

عصر کے بعد شدت ضعف سے انتظام انفاس میں غیر معمولی تغیر ہوا۔ اور وہ ذکر خاص جس کا اخفا حضور نے ہمیشہ بکمال احتیاط فرمایا تھا اب ضعف کی وجہ سے اُس کا اظہار ہونے لگا۔ اور اسی دوران میں بعض ایسے کلمات بھی جناب حضرت نے فرمائے جن کے مفہوم سے خدام نے یہ قیاس کیا کہ شاید اسی رات کے آخری حصہ

میں ہماری حسرتین پامال اور ہمارا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ چنانچہ بعد مغرب اس حالت میں اور ترقی ہوئی اور وقتاً فو قتاً ہماری نصیبی کے آثار بڑھتے گے۔

نصف شب کے بعد اطبا نے بخلاف پر ہیز ایک ہفتہ سے پانی کا استعمال جو منوع گردانا تھا اب وہ احتیاط غیر ضروری سمجھی گئی۔ اور حضور کو پانی پلا یا گیا۔ لیکن قابل حیرت یہ امر ہے کہ ہر چند ضعف پہلنے سے اسوقت بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ مگر دفعتاً آپ کے مقدس انفاس تیز رفتار بھی ہوئے۔ اور قومی آواز سے اثبات حضرت احادیث جل جلالہ کا اظہار کرنے لگے۔ جسکا جملہ خاضرین پر بھی خاص اثر ہوا۔ اور اس فیضان وارثی سے ہر شخص بقدر حیثیت مستفیض ہوا۔ لیکن ۳ بجے کے بعد حکیم یعقوب بیگ صاحب نے نبض دیکھی تو بیتاب ہو کر رونے لگے۔ فیضو شاہ صاحب ثربت انار میں پانی ملا کر لائے اور ایک چمچ حضور کو پلا یا۔ مگر دوسرا چمچ تو وہ فرونہوا۔

أسواق میں بھی جناب والا کے پاس حاضر تھا۔ اور ایک ہاتھ سے سر اقدس کی حرارت اور ایک ہاتھ سے قلب اطہر کی حرکت دیکھ رہا تھا۔ اور فیضو شاہ صاحب بھی قریب بیٹھے تھے۔ اور شید امیان اور بابو کنیالال صاحب چہرہ اقدس کے سامنے اور حافظ احمد شاہ صاحب پائیں کھڑے تھے۔ اور تقریباً پچاس ساٹھ حلقة گوش مؤدب اور خاموش استادہ تھے کہ ناگاہ سرکار عالم پناہ نے ایک سنگین سانس کھینچی اور قریب پندرہ بیس منٹ کے بعد جب وہ باہر نکلی تو صاف طور پر دیکھا کہ وہ سانس برنگ بیزرا اور قبلہ عالم کی ہم شبیہ تھی۔ جو تعینات عنصری سے جدا ہو کر شب جمعہ کو سوا چار بجے واصل ذات حضرت الوہیت ہوئی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آ خرشد

روئے گل سیرندیدیم و بہار آ خرشد

لیکن اس سانحہ قیامت خیز کے بعد حاضرین کی حالت ایسی حیرت انگیز نظر آئی جو عجیب بلکہ عجیب تر تھی۔ اس لئے کہ فراق یا عمو ما شاق ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ ایسے شاہد دنوواز کی مفارقت غیر معمولی مصیبت تھی۔ اور یہ دردناک حادثہ اگر ارادتمندوں کو اسوقت ہلاک کر دیتا تو بعید نہ تھا۔ کیونکہ ان کی آنکھوں کے سامنے انکا خرمن مراد ہمیشہ کیلئے تباہ و بر باد ہو گیا۔ کل جو مکان بزم عیش کے نام سے موصوف تھا۔ آج وہ بیت الحزن اور ماتم کدہ بن گیا۔ لیکن یہ کسی قوت کاملہ کا کرشمہ تھا کہ جملہ حلقة گوش دم بخود ساکت اور خاموش ہو گئے۔ اگر یہ گمان کیا جائے کہ کثرت غم اور وفور حزن و ملال کے اثر سے ان کا یہ حال ہوا کہ متغير و مبہوت ہو گئے۔ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اسوقت مکان میں جو حاضر رہا بیتاب و بیقرار نہوا۔ اور جب وہی شخص صدر دروازہ کے باہر گیا تو زار زار رو نے لگا۔

بہر کیف کوئی سبب کیون نہ ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ چند ساعت سکوت کا عالم رہا۔ اور جب یہ کیفیت فرو ہوئی تو حسب فطرت سب خدام ملوں و محزمون ہوئے اور اپنے آقائے نامدار کے گرد و پیش تا سحر حاضر ہے۔ صحیح کو مشورہ ہوا کہ آپ کا جسد پاک کس مقام پر سپر دخاک کیا جائے۔ ایک گروہ جس میں بعض رئیس بھی تھے۔ ان کی یہ رائے ہوئی کہ شاہ اویس کے گور غریبان میں مزار بنایا جائے۔ ورنہ پختہ مکان بیکار ہو جائیگا۔ دوسرے گروہ کا جس میں فقرابھی شامل تھے۔ یہ خیال ہوا کہ اسی مکان بلکہ اسی مقام پر حضور آرام فرمائیں کیونکہ جناب حضرت نے متواتر فرمایا ہے کہ۔ ”فقیر جہان مرے وہیں اُس کو دفن کر دے۔“

بلکہ اس گروہ نے اپنے خیال کی تائید میں بطور اُس واقعہ کا حوالہ دیا کہ بد نام شاہ جو پہلے خادم خاص اور بعد کو موضع کہیوں میں گوشہ نشین تھے۔ ان کے انتقال کی خبر جب حضور کو ہوئی تو شید امیان اور قاضی بخشش علی کو یہ حکم ہوا کہ

”جاوہ بدنام شاہ کو غسل دیکر اسی مقام پر دفن کرنا جہاں وہ مرے ہیں“۔ اور ایک رنگ میں تہبند اور لنگوٹ اُن کے کفن کیواستہ مرحمت ہوا۔

اتفاق سے انکا انتقال بالا خانہ پر ہوا تھا۔ اور قبلہ عالم کا یہ حکم کہ جہاں مرے ہیں وہیں دفن کرنا تو اس کی تصریح کیلئے قاضی بخشش علی نے یہ عرض کی کہ حضور حجت میں اُن کی قبر کیونکر بنائی جائے گی۔ جناب والا نے یہ سمجھکر کہ قاضی صاحب نفس مفہوم کو نہیں سمجھے۔ بغرض تنبیہ مکر ر ارشاد فرمایا کہ۔ ”نہیں جہاں مرے ہیں وہیں اُن کو دفن کیا جائے“۔

اب خدام پریشان تھے کہ اس فرمان کی تصریح کیونکر کی جائے۔ آخر شید امیان نے عرض کیا کہ حضور آثار سقف میں بدنام شاہ اس طرح دفن ہو سکتے ہیں کے اسی مقام کے تحت میں قبر کھودی جائے۔ اور حجت بھی اسی قدر کاٹ کر بدنام شاہ کو اوپر سے قبر میں گرا دین۔ اسپر حضور اقدس نے یہ ہدایت کی کہ۔ ”مردہ کو تکلیف نہیں دیتے گرانے کی کیا ضرورت ہے نیچے لا کر اسی مقام پر دفن کر دینا“۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل اسی طریق سے ہوئی۔ لہذا ہمارے مجتہد حقیقی نے جب کہ اپنے خادم کی قبر اسی مقام پر بنوائی تو لازم ہوا کہ سرکار عالم پناہ کی آرامگاہ اسی مقدس گوشہ زمین میں ہو جہاں دم آخڑتک اپنے استراحت فرمائی ہے۔

گو حضرات سابق الذکر کو بھی اس ہدایت وارثی کا بخوبی علم تھا لیکن اپنی تجویز میں ترمیم نہ کی۔ اور پسند نہ ہوا کہ یہ پختہ خانقاہ حضور کی آرامگاہ بنائی جائے۔ ہر چند بظاہر یہ لوگ اپنی کثرت اور وجہت کے اعتبار سے ہر طرح کی قوت رکھتے تھے مگر دوسرے قلیل التعداد گروہ نے خدا نے برتر و تو انا کی امداد پر بھروسہ کیا۔ اور اس خدمت کے لئے آمادہ ہو گیا۔ کہ بقدر امکان اس فرمان کی تعمیل ضرور کریں گے۔ جس کی جناب حضرت نے متواتر ہدایت فرمائی۔ اور اگر ہمارا یہ ارادہ غبار نفسانیت سے

آلوہ نہیں ہے تو یقینی افضل الٰہی شامل حال ہوگا۔ اور ہمارا خیال پورا ہو کر رہیگا۔ اور انشاء اللہ جناب والا اسی گوشہ زمین میں ہمیشہ اسودہ رہنا پسند فرمائیں گے جہاں اسوقت نظارہ جمال شاہد مطلق میں گھوا اور مستقر ہیں۔

بس فوراً یہ حلقہ بگوش فرمانبرداری کے جوش میں کھڑے ہو گئے۔ اور حضور کا جسد اطہر معاً مقدس بستر کے مشرقی صحیحی کے قریب لائے اور آپ کی جائے استراحت پر قبر کا نشان لگا کر کھودنے کا حکم دیا۔ اسی عرصہ میں سب انسپکٹر تھانہ قصبہ کری معاً چند کاشتبل اور چوکیدار ان کے آئے۔ اور قبر بنانے کی ممانعت کی۔ اور وجہ مزاحمت یہ بتائی کہ سید محمد ابراہیم کی درخواست آئی ہے کہ تم لوگ حاجی صاحب کا مکان خراب کرنا چاہتے ہو۔ جواب اُن کے ورثہ کی ملک ہے۔

ان لوگوں نے با آسمی تھانہ دار کو سمجھا دیا۔ کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کا مذاق و مشرب یہ تھا کہ ہمیشہ تعلقات دنیا سے قطعی احتراز رہا۔ بلکہ ذاتی ضروریات کے انتظام کو مکروہ اور حرام سمجھا۔ مثلاً خورد و نوش کا یہ حال تھا کہ کھانا بھی جو کھایا وہ اپنا نہیں۔ کوئی دوسرا شخص لا یا تو آپنے نوش فرمایا۔ کپڑا جو استعمال کیا وہ بھی اپنا نہیں۔ مریدین ہمیشہ تہبند تبدیل کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جو تہبند زیب جسم ہوا اس کو بھی نہیں رکھا۔ جدید تہبند لانے والیکو مستعمل تہبند مرحمت ہوا کرتا تھا۔ علی ہذا بود و باش کیواسطے مکان بھی نہیں بنایا۔ ہمیشہ دوسرے کے مکان میں رہے۔ چنانچہ یہ مکان بھی حضور کی آسائش کیواسطے مریدین نے بنایا تھا۔ اور مریدین ہی اُس کو آپ کی دائی آرامگاہ بناتے ہیں۔ لہذا آپ کی یہ سادہ زندگی یادگار رہیگی۔ اور تاریخ کے صفحات میں اس کا ذکر رہے گا کہ یہی ذات ستودہ صفات ایسی تھی جس نے تعلقات عالم سے انقطاع لکھی فرمایا۔

یہ سنکر سب انسپکٹر اسوقت تو واپس گئے۔ مگر تھوڑے عرصہ میں پھر آئے۔ اور کہا کہ

اس کا کیا جواب ہے کہ بستی کے اندر قبر بنانا قانوناً منوع ہے۔ بابو کنیالال صاحب نے کہا کہ واقعی حدود میںوپلٹی میں اس کی احتیاط ہے کہ عام طور پر قبرین نہ بنائی جائیں لیکن یہاں میںوپلٹی نہیں۔ اب تھانہ دار مزاحمت سے دست بردار ہوئے۔ مگر ناگیا ہے کہ پھر اسی مضمون کی درخواست حاکم ضلع کو دی گئی۔ اور جب یہاں سے بھی کامیابی نہ ہوئی تو پھر یہ کیا گیا کہ با اثر اشخاص کے ذریعہ سے مزدوروں کو قبر بنانے سے روک دیا۔

جب مزدور چلے گئے تو اہل ارادت نے اس خدمت کو بھی انجام دیا اور کسی نہ کسی طرح سے پیشوائے برحق کی قبرا پنے ہاتون سے بنایا کرتیا کی۔ اور غسل دیکر نماز کے لئے ہر چند انتظام کیا کہ لوگ صفائی ہو جائیں۔ مگر مکان کے اندر اس کثرت سے ہندو مسلمان مجتمع ہو گئے تھے۔ کہ شانہ ہلانا دشوار تھا۔ جو شخص جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا۔ مجبوراً اسی کو صفائی خیال کیا۔ اور حافظ عبدالقیوم صاحب کرنالی نے نماز پڑھائی۔ اور قریب

پانچ بجے اُس مجسم نور الہی کو سپردخاک کیا۔ بقول

گویا جگر زمین کشادند

آن نور خدا درد نہادند

لیکن جب اسی مکان میں مزار اقدس تعمیر ہو گیا۔ تو حضرات سابق الذکر کو سجادگی کا شوق ہوا اور دوسرے روز خاص جلسہ میں یہ تحریک کی کہ سید محمد ابراہیم صاحب یہاں کے سجادہ نشین بنائیں جائیں۔ مگر بد قسمتی سے اس میں بھی اختلاف ہوا۔ کیونکہ محركین نے تو ذاتی طور پر یہ تجویز کیا تھا کہ مثل دیکر آستانوں کے یہاں ایک سجادہ نشین ہونا چاہیے۔ مگر غلطی یہ ہوئی کہ اس مقدر گروہ نے یہ خیال نہ کیا کہ ہماری یہ تحریک مشرب وارثی کے بالکل خلاف ہے۔

چنانچہ متعدد ارادتمندوں نے جن میں فقراء تہبند پوش اور خدام و قدیم حلقہ بگوش بھی تھے اختلاف کیا۔ اور اس مسئلہ سجادگی کو حضور کی ہدایت کے منافی بتایا اور کہا کہ رہنمائے کامل

کا یہ ارشاد بھی ہم کو یاد ہے کہ جو سرکار عالم پناہ نے ہماری ہدایت کیا سطے بار بار فرمایا ہے کہ ”ہماری منزلِ عشق ہے۔ اس لئے ہمارا کوئی خلیفہ اور سجادہ نشین نہیں ہو سکتا۔ جو ہم سے محبت کرے وہی ہمارا ہے۔“

اور یہ بھی کہا کہ ہماری طرح آپ حضرات بھی واقف ہیں کہ یہ فرمان وارثی تحریر میں آچکا ہے اور وہ تحریر جس سید شرف الدین کے پاس محفوظ ہے جس کا ذکر کتاب عین الیقین مطبوعہ ۱۳۱۱ ہجری میں بصراحت درج ہے۔ اس لئے ہمارے سلطان دین کا کوئی سجادہ نشین نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر انتظام آستانہ پاک کے لئے غلامان وارثی کسی کو منتخب کریں تو غیرت ارادت اس کی مقتضی ہے کہ اُس کو سجادہ نشین نہ کہیں۔ جو ہمارے مشرب کے صریح خلاف ہے بلکہ اُس کے واسطے اگر متولی۔ دیوان۔ صاحبزادہ۔ منبغ۔ منتظم یا کوئی اور ممتاز خطاب تجویز فرمائیں۔ تو ہم کو کوئی عذر نہ ہو گا اور آپ کے اس انتخاب کو قدر کے ساتھ تسلیم کریں گے۔

جب ارباب جلسہ کے اختلاف آراء سے یہ معلوم ہو گیا کہ عہدہ سجادگی مشرب وارثی کے قطعی منافی ہے۔ اور مریدین بالاجماع کسی کا سجادہ نشین ہونا پسند نہ کریں گے تو انہوں نے اس کی کوشش کی کہ سید محمد ابراہیم صاحب کسی طرح احرام پوش ہو جائیں مگر احرام پوشی اُسی وقت قابل احترام ہو گی جب حاجی صاحب قبلہ کا کوئی قدیم فقیر ان کا لباس تبدیل کرائے۔

بالآخر اس کام کیا سطے معروف شاہ صاحب کو تجویز کیا۔ اور بعض حضرات نے ان کو سمجھایا کہ ہم لوگ بغرض انتظام سید محمد ابراہیم صاحب کو منتخب کرتے ہیں۔ مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ منتظم تہبند پوش ہو۔ امید ہے کہ آپ ان کا لباس تبدیل کرادیں گے۔ شاہ صاحب موصوف نے ان کی استدعا منظور فرمائی اور سویم کے روز بعد قرآن خوانی اور قل وغیرہ کے معروف شاہ صاحب نے حاضرین کو

مناطب کیا اور کہا کہ یہ مسلمہ ہے کہ حسب ارشاد جناب حضرت یہاں کا کوئی سجادہ نشین نہیں ہو سکتا۔ لیکن ضرورت اس کی ہے کہ انتظامی خدمت کسی کے پرد کی جائے۔ اسلئے سید محمد ابراہیم کو بطور منتظم مقرر کرتے ہیں۔ لیکن یہاں کی تقریبات معینہ میں نہ ان کو تصرفات کا حق ہو گا اور نہ تنظیم سابق میں ترمیم کا اختیار ہے جو شخص جس خدمت کیلئے مامور ہے وہ بدستور رہیگا۔

مگر افسوس اس کا عملدار آمد نہ ہوا۔ بلکہ خود سید محمد ابراہیم صاحب نے اپنے نام کے ساتھ لفظ سجادہ نشین بھی لکھا۔ اور خدام بھی اپنے عہدوں سے معزول ہوئے۔ خدا کی شان نظر آتی تھی کہ ادھر تو حصول اغراض کے اهتمام میں یہ محیت تھی کہ سجادگی کے جوش میں مشربی احکام فراموش تھے۔ اور ادھر غلامان و ارثی کی حرستیں جب پامال ہوئیں تو اس دلخراش واقعہ سے وہ انقلاب ہوا کہ ارادتمندوں کی زندگی خراب ہو گئی۔ کوئی دلگار تعلقات سے دست بردار ہوا۔ غریب الوطنی منظور کی۔ خویش و احباب سے دور رہنے لگا کوئی غمگین گوشہ نشین ہوا۔ صدمہ فراق نے اس کو زندہ درگور کا مصداق کیا۔ کسی بیقرار خاطر نے دیوانہ و اصرہ انور دی اختیار کی۔ خدام کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ ہر گھر میں رنج والم سوز و گداز کا چرچا تھا۔ ہر طرف سے آہ و فغان کی آواز آتی تھی۔ کوئی نوحہ خوان تھا۔ کسی نے مرثیہ لکھا۔ چنانچہ اس نحیف نے بھی بطور یادداشت یہ قطعہ تاریخ تالیف کی۔

حاجی وارث علی شاہ زم	سید و سردار کل۔ گردون جناب
آفتاب فقر و دین۔ شمع بدی	شرقی و غربی زد اش فیضیاب
خسر و اقليم تسلیم و رضا	جلوہ سبطین، شان بو تراب
بے نیاز از ہر دو عالم ذات او	عاشق و معشوق و فرد و لا جواب
پنځی بخشند به خامان طریق	پختہ را در لحظه ساز و کامیاب

شرح اوصائش چہ آرم در بیان آفتاب آمد دلیل آفتاب  
 صحیح آویند کمکم شهر غفر آن صحیح انداخته بر رخ نتایب  
 غرق ظلمت شد جهان از هجرت اش نظم عالم گشت از نقلش خراب  
 هر طرف شور و فخان اندر جهان خلق را شد روز چون رو ز حساب  
 قدسیان بر جد خود انسان بر زمین هر دو عالم از غمش و اغطراب  
 مهر خان را در غمش عاشقان را از فراقش دل کباب  
 ببر تار سخشن چنین او گفت گفت پس چرا شد آفتاب اندر جهاب  
 الغرض بعد فاتحہ سویم جب خلا مان وارثی اپنے اپنے وطن جانے لگئے تو میں  
 نے بھی جناب شاہ فضل حسین صاحب سے عرض کیا کہ مجکو کیا کرنا چاہیے۔ جناب  
 مددوح نے فرمایا کہ تمہارے واسطے یہی مناسب ہے کہ پیشوائے برحق کے حکم کی  
 تعییل کرو اور اپنے والد کی قبر پر رہو۔ اور یاد رہے کہ اس لباس کی نگاہداشت میں  
 اگر ناقابل برداشت واقعات بھی پیش آئیں تو پائے استقلال کو لغزش نہ ہو۔  
 چنانچہ اپنے شفیق ناصح کی یہ نصیحت سنکر اسی روز سرکار عالم پناہ کے مزار پر انوار سے  
 رخصت ہو کر دیوی شریف سے چلا۔ اور ۵ رصفر ۱۳۲۳ ہجری کو پچھرا یون میں آ کر  
 مسجد سہرا ب شاہ میں رہنے لگا۔

جب احباب میرے مستقل قیام سے آگاہ ہوئے تو ان کی کوشش سے احاطہ  
 مسجد میں ایک جگہ بھی تعمیر ہو گیا۔ اور والد ماجد کے عرس کا زمانہ آیا تو اس میں ایک  
 تارخ میں نے اور بڑھائی جس کو اپنے مولا کے نام پاک کے ساتھ منسوب کیا اور اس  
 سال سے سترہ کو حضور کے قل کے بعد عرس کی تقریب ختم ہونے لگی۔ اور اسی سال سے  
 اس تقریب میں نمایاں ترقی ہوئی۔ کہ مہماں بھی زیادہ آنے لگے۔ اور ان کے آرام  
 و آسائش کا ضروری سامان بھی مجتمع ہو گیا۔

الغرض ما بعد آستانہ پاک کے انتظام میں اور کیا کیا انقلابی صورتیں پیش آئیں  
اور مقبرہ شریف کیونکر تعمیر ہوا۔ اور سجادگی کا داع غہارے مشرب کے شفاف دامن سے کب  
اور کیونکر چھوٹا۔ اور بارگاہ وارثی کی رونق اور ترقی کے لئے ذی حوصلہ ارادتمندوں نے کس  
اولوالعزمی سے کام لیا۔ اور میں نے سفر جاز و عارق کیونکر کیا۔ یہ جملہ حالات اگر کار ساز حقیقی  
کو منظور ہے تو دوسری جلد میں نگارش کروں گا۔

لیکن اس فقیر کو تقریباً چار سال تک جو آستانہ اقدس پر حاضری کا موقع ملا یہ  
سعادت میرے اعمال کی خوبی کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ پیشوائے برحق کی محض بندہ نوازی اور  
پروردش تھی۔ ورنہ مجھ ایسا سگ دنیا اس لائق ہرگز نہ تھا کہ اس مقدس مقام پر اس کا  
گزر بھی ہوتا۔ اور واللہ اس گدا اگر کی مجال نہ تھی کہ دراقدس کی جاروب کشی کا خیال  
بھی کرتا جو درحقیقت میرے اور میرے آباء اجداد کے فخر و مبارکات کیواستے کافی  
ہے۔ اور فی الواقع یہی عرصہ زندگی میرا جو بارگاہ وارثی کی دربانی میں گزرا اس قابل  
ہے کہ اس کو سرمایہ نا زکھوں تو بیجانہو گا۔ بقول

اگر ہر موئے تن گروڈ زبانے

ز تو راتم بہ ہر یک داستانے

اور آج بھی اس دور افتادہ کو اگر کوئی تمباہی ہے تو یہ ہے کہ بقیہ عمر اُسی دراقدس کی  
دربانی اور اُسی آستانہ پاک کی جاروب کشی میں کٹے۔ بقول

جائے آنست کہ جان برس کویت بازم

خاک درگاہ پر تو بر تارک سر اندازم

لہذا اپنی زندگی کے اُس حصہ کا حال نگارش کر چکا جو درحقیقت میری زندگی کا  
خلاصہ۔ اور جس پر میری زندگی کے مآل کا انحصار ہے۔ البتہ اس چند روزہ حاضری  
کے دران میں جو مستعد اور غیر معمولی تصرفات دیکھے اُن کو مفصل تحریر کرنے میں یہ

خیال ہے کہ اگر بالترتیب نگارش کروں تو صفحیم دفتر ہو جائے گا۔ اور علی ہذا حضور نے ہدایات اور ارشادات کی بھی تعداد کم نہیں ہے اس لئے ان کو بھی بالتفصیل نہیں لکھ سکتا۔ اور علاوہ اس کے اکثر ملفوظات اخوان ملت کی تالیفات میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ یا بعض ایسے ارشادات ہیں جنکو مشروب و مسلک سے گہرا تعلق ہے ان کی بالاعلان اشاعت خلاف معلوم ہوتی ہے۔ لیکن فی الجملہ اس کی بھی ضرورت دکھائی دیتی ہے کہ اس سلسلہ میں بعض واقعات کا بھی ذکر ہوا اور چند ملفوظات بھی لکھے جائیں۔

مگر اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ میری محدود واقفیت نہ اس کی مقاضی ہو سکتی ہے کہ درِ دولت کے جملہ واقعات اور پیشوائے برحق کے تمامی تصرفات نقل کرے اور نہ میری استعداد اس لائق ہے کہ ان تصرفات کی حقیقت اور ماہیت کی کماحتہ بیان کرے۔ کیونکہ روزانہ کا یہ دستور تھا کہ مختلف حیثیت اور مختلف خیال کے ارادتمند حاضر ہو کر حسب استعداد فیضان وارثی سے مستفیض ہوا کرتے تھے۔ مگر انھیں ارادتمندوں میں اکثر حضرات کی طلب اور معاملات کو حقانیت اور روحانیت سے ایسا سروکار ہوتا تھا کہ جس کی تشریح اور تصریح کرنا تو یقینی ناممکن ہے۔ بلکہ ان پر اسرار واقعات کا تو مجملًا بھی ذکر کرنا دشوار ہے اس لئے وہ تصرفات جو رموز و اسرار سے معمور ہیں اور وہ ارشادات جن کا نکات معنوی سے سروکار ہے ان کو تحریر میں لانا قطعی میرے امکان سے باہر ہے۔

البته مجھ نظر میں کا تو یہی منصب ہے کہ وہی حالات نگارش کروں جو بظاہر ہمارے فہم و ادراک کے لائق ہوں جیسا کہ طالبان اللہی کا عام طور سے حلقة غلامی میں داخل ہونا جس کا سلسلہ قریب ہر وقت جاری رہتا تھا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ معمولی واقعات میں اکثر ایسے رموز و اسرار پائے گئے جن کا ہماری عقل میں آنا محال ہے چنانچہ بارہا ایسے بھی طالب خدا آئے جو مضطرب یقرا و دیوانہ و ارزبان حال

سے کہتے تھے۔

جز تو کس درجہ ان نبی خواہیم  
بے وصال تو جان نبی خواہیم

بلکہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہو گا کہ بارگاہ دارثی کو معمولی بات بھی اپنی حقیقی  
حیثیت میں غیر معمولی بات کی اہمیت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ مثلاً ایک صاحب پیل  
بھیت سے آئے اور حسب اجازت درگاہ شاہ ولایت صاحب میں قیام کیا۔ اور  
بعد ادا نماز ظہروہ داخل سلسلہ دارثی ہوئے۔ مگر نماز عصر کے لئے ان کو شاہ فضل  
حسین صاحب نے بلا یا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ جناب شاہ صاحب میں تو  
مرید ہو چکا ہوں اب نماز کسی بقول

جودل تمارخانہ میں بُت سے لگا چکے  
وہ کعبتین چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

شاہ صاحب نے فرمایا کہ مرید ہونے کے بعد آپ نماز کیون نہیں پڑھیں گے  
جو فرض عین ہے۔ وہ سادہ مزاج متھیر ہو کر بولے کہ میں نے تو یہ سناتھا کہ جناب حاجی  
صاحب قبلہ کے مرید کو نماز معاف ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے میں یہاں آیا اور حلقة  
غلامی میں داخل ہوا۔ شاہ صاحب موصوف نے مجھوں بلا کر فرمایا کہ ان کے خیالات فاسد  
ہیں۔ خدا کیوں سطے سمجھاؤ کہ نماز پڑھیں۔ چنانچہ میں نے ان سے دریافت کیا تو نماز نہ  
پڑھنے کا سبب وہی مجھ سے بھی بیان کیا۔ میں نے کہا کہ آپنے پیر و مرشد سے بھی  
اجازت لی ہے۔ کہا یہ تو نہیں کیا۔ میں نے کہا بغیر ان کے معاف کئے نماز کیونکر معاف  
ہو جائے گی۔ اگر وہ کہدیں تو چھوڑ دیجئے۔ درنہ اس حکم خداوندی کو آپ خود کیونکر چھوڑ  
سکتے ہیں۔ میرا یہ کہنا ان کی سمجھی میں آگیا۔ اور اسی وقت میرے ہمراہ سرکار عالم پناہ کی  
خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے جناب حضرت سے یہ قصہ عرض کیا۔ تو حضور

مسکرائے۔ اور فرمایا کہ ”ابھی تین برس اور نماز پڑھو۔ پھر چھوٹ جائیگی“۔ اور مخصوص طریقہ سے درود شریف پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ وہ صاحب نہایت مسرور ہو کر واپس آئے اور بکمال خضوع و خشوع نماز عصر ادا کی۔ اور شاہ فضل حسین صاحب سے کہا کہ جناب میری نماز بھی اب تین برس کے بعد چھوٹ جائے گی۔

پھر دوسرے سال میلہ کا تک میں وہ حاضر ہوئے۔ تو ان کی حالت یہ دیکھی کہ ہر وقت باوضور ہتے ہیں۔ اور درود شریف کا ورد ہے۔ اور ذوق و شوق میں نماز ادا کرتے ہیں۔ مگر تیسرا سال وہ میلہ میں نہیں آئے۔ تو ولی گوہر خان صاحب وارثی رئیس پیلی بھیت جب حاضر ہوئے اور ان سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ انکا انتقال ہو گیا۔ شاہ فضل حسین صاحب نے حساب کیا تو اس نمازی کے انتقال کی تاریخ وہی تھی جس روز تین سال پورے ہونے تھے۔ جس کو دوسری لفظوں میں یہ کہنا چاہیے کہ ہمارے بندہ نواز پیشوائے نے اپنے اس مرید صادق کو تادم مرگ اداۓ نماز کے لئے حکم فرمایا تھا۔ جس وقت جسد عضری سے روح کا تعلق چھوٹ گیا۔ اس عابد خدا شناس سے نماز بھی چھوٹ گئی لیکن تین سال کی قید لگانا یہ اس واقف اسرار اور مقبول پروردگار کا کام ہے جو منشاء الہی سے خبردار ہو۔ وہ ہمیشہ وہی کہتا ہے جو قضاؤ قدر کا ارادہ ہوتا ہے۔ بقول

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اسی مضمون کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ مشی سید نجم الدین صاحب رئیس بانکے پور جو نہایت مقدس اور خدا شناس شخص تھے۔ اور ایک مرتبہ بمحاذ عقیدت دیوبئی شریف میں حاضر ہوئے تھے۔ جب حضور بانکے پور تشریف لے گئے۔ اور مشی صاحب سے ملاقات ہوئی تو موصوف نے بکمال ادب یہ استدعا کی کہ میری نماز چھڑا دیجئے۔ جناب حضرت نے

فرمایا کہ فرشی جی نماز چھوڑنے کی چیز نہیں ہے۔ ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْأَنْسَ إِلَّا يَعْبُدُونَ“۔ ٹشی صاحب نے عرض کیا کہ اب نماز عبادتاً نہیں بلکہ عادتاً پڑھتا ہوں۔ اور ایسی نماز بے سود معلوم ہوتی ہے۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ۔ ”ٹشی صاحب وضع داری اسی میں ہے کہ مرتبے دم تک نماز پڑھے جاؤ“۔ چنانچہ چند روز کے بعد یعنی نماز عصر کی تیسری رکعت میں انتقال ہوا۔

علی ہذا ۱۳۲۰ھجری کا واقعہ ہے کہ پنجاب سے ایک مولوی صاحب آئے۔ اور صدر دروازہ کے بالا خانہ میں جہان ڈپٹی سید محی الدین صاحب وارثی و ڈپٹی قاضی لطیف عالم صاحب وارثی پہلے سے مقیم تھے۔ مولوی صاحب بھی ایک جانب ٹھہرائے گئے۔ دوسرے روز بعد نماز ظہر مولوی صاحب نے ان دونوں ڈپٹی گلکشرون سے کہا کہ تم نے نماز کیون پڑھی۔ کیا معلوم نہیں کہ۔ ”مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ“۔ بے نماز یوں کی ترہیب کیلئے حبیب رب العالمین کا فرمودہ ہے کہ بلکہ میں نے سنا ہے کہ جناب حاجی صاحب بھی نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اسی کے متعلق ان سے گفتگو کرنے آیا ہوں۔ مولوی صاحب کے یہ بیبا کانہ کلام سنکردونوں ڈپٹی گلکشرون نے مجکوب لاکریہ قصہ کہا اور خواہش ظاہر کی کہ ہم کو دوسری جگہ ٹھہر ادو۔

میں نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا نام ہے اور کہاں سے اور کیون آپ آئے ہیں۔ تو پنجابی لہجہ میں فرمایا کہ میرا نام عبد اللہ ہے۔ اور اسلئے ملتان سے آیا ہوں کہ حاجی صاحب سے نماز کی بابت گفتگو کروں۔ ”کیونکہ نماز دین متین کی تھوڑی ہے کیا سنا نہیں ہے کہ۔“ اولین پرسش نماز بود۔ اور یہ مسلمہ ہے کہ تارک نماز خارج از دائرہ اسلام ہے بقول

خلاف پیغمبر کے رہ گزید  
کہ ہر گز بمنزل نخوا بد رسید

میں اسیوقت مولوی صاحب کو سرکار عالم پناہ کی خدمت میں لے گیا۔ لیکن وہاں مولوی صاحب خاموش بیٹھے رہے۔ جب واپس آئے تو پھر کہا کہ مجنو حاجی صاحب کے پاس لے چلو وہ کہاں ہیں۔ میں نے کہا ابھی تو آپ ملاقات کر کے واپس آئے ہیں۔ لیکن خیر دوبار چلئے۔ اور پھر مولوی صاحب کو لیکیا۔ اس مرتبہ حضور نے فرمایا کہ یہ کون ہیں۔ عرض کیا یہ ملتان سے آئے ہیں۔ ”ارشاد ہوا کہ چلو ٹھہرو۔ پھر ملاقات ہو گی۔“

غرض اسی طرح تین مرتبہ مولوی صاحب جناب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور واپس آ کر یہی کہا کہ حاجی صاحب کہاں ہیں اُن سے کچھ بتیں کروں گا۔ آخر چوتھی مرتبہ حاضر ہوئے تو سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ مولوی صاحب بیٹھو۔ مولوی صاحب فوراً قد مبوس ہوئے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ۔ ”مولوی صاحب سے دین جاری ہے اور اسلام کے یہ حامی ہیں۔“ اور پھر مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر ارشاد ہوا کہ۔ ”جب ہم نے کافیہ شروع کیا۔ اور استاد نے پڑھایا کہ الکلمۃ لفظ تو ہم نے کہا کہ جب کلمہ ایک لفظ کا نام ہے تو اسکا پڑھنا بیکار ہے۔“ پھر فرمایا کہ ”مولوی صاحب ہم نے اپنے والد کا کتب خانہ تالاب میں ڈبودیا۔“ اور ارشاد ہوا کہ ”مولوی صاحب فی آنفیسُکم افلا تُبصِرُونَ کے معنی جانتے ہو۔“ مگر مولوی صاحب خاموش اور کسی خیال میں ہمہ تن مستفرق بیٹھے رہے۔ پھر حضور نے دریافت فرمایا کہ شب کو منتوی مولا ناروم کون پڑھتا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یہی مولوی صاحب پڑھ رہے تھے تو کسی قدر ترشو ہو کر جناب والا نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب سمجھ کو پڑھا کرو۔ ورنہ چھوڑ دو۔“ منتوی کا مفہوم اگر نہ سمجھے تو نہ پڑھے۔ اس کے بعد مولوی صاحب کو رخصت کر دیا۔

اس مرتبہ بالا خانہ پر آ کر مولوی صاحب کچھ عرصہ تک تو ساکت رہے پھر حالت وجد میں منتوی شریف کا پہلا شعر پڑھا۔ اور جوش میں کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ اور یہ ناج مولوی صاحب ایسا ناچ کے دیکھنے والے تحریر تھے کہ پہلے تو بالا خانہ پر یہ ناج ہوتا رہا

پھر اتر کر در دولت پر عرصہ تک مولوی صاحب یہ ناج ناچے۔ پھر قصہ کی گلیون میں ناچے پھرے۔ اور بار بار کہتے تھے کہ اب خوب سمجھ گیا۔

چنانچہ اسی صورت سے آٹھ روز گزر گئے۔ اور وہ ناج ختم نہ ہوا۔ اور اس عرصہ میں مولوی صاحب کو نہ اپنے کپڑوں کا ہوش ہوا۔ نہ لکھانے کی فکر ہوئی نہ پانی کی تلاش اور نہ کسی وقت نماز کا خیال آیا۔ بلکہ بہی ایک شعر کہ

بشوواز نے چون حکایت میکند

وجود دائی ہا شکایت می کند

پڑھتے تھے اور بار بار کہتے تھے خوب سمجھ گیا۔ بلکہ کسی نے اگر کہا کہ مولوی صاحب نماز پڑھ لیجئے۔ تو جواب میں کہتے تھے کہ تم اپنی نماز پڑھو۔ میں پڑھ چکا ہوں۔ اور اب نماز میری یہ ہے۔

سرے در سجدہ هر در ندارم

جز این در قبلہ دیگر ندارم

اور جس وقت زیادہ بیقرار ہوتے تھے۔ تو حالت جوش و اضطراب میں زار زار رو تے اور کہتے تھے۔

قادر اب هر جمال خویشن  
بر قلن این پرده از رخ بر قلن

تا بخود بیشم خود در ا در وجود  
گه رکوع آریم شادان گه بخود

ہر چند مولوی صاحب کی حالت زار کا ہر شخص کو احساس تھا۔ مگر راجہ دوست محمد خان صاحب وارثی نے اُن کی اس پریشانی پر بار بار افسوس کا اظہار کیا۔ آخ موصوف کے اصرار سے مولوی صاحب کو میں تالاب پر لے گیا۔ اور خوب نہلا یا۔ گو اُن کے وجہ کا خمار غسل سے بھی بالکل نہیں فرو ہوا۔ لیکن اس دوسرے ہفتہ میں رفتہ رفتہ افاق ضرور ہوا۔ اور جب کسی قدر سکون ہو گیا تو ایک روز بکمال ادب سرکار عالم پناہ

کی خدمت بابر کرت میں حاضر ہو کر مولوی صاحب نے عرض کیا کہ والد کائنات میں ہر ذرہ آپ ہی کے نور سے معمور ہے۔ یہی نسبت شیخ کو پابند اسلام کرتی ہے۔ اور یہی صورت برہمن سے رام رام کھلاتی ہے۔ بقول

از رندے و پارسائے تو

میخانہ و خانقاہ در رقص

آقائے نادریہ خطاط شعار آپ کے کرم اور آپ کی عنایت کا امیدوار ہے۔ اب  
خاطر بیقرار کوتا ب انتظار نہیں۔ زندگی سے بیزار ہوں۔ کیونکہ  
خواب ز چشم من بشد چشم تو بست خواب من  
تاب نماند در تنم زلف تو بردتا ب من

لہذا متدعی ہوں کہ اب غلام کو لباس فقر مرحمت ہو اور تعلقات دنیا سے آزاد  
فرمائیے جناب حضرت نے یہ ارشاد فرمایا کہ ”تم اپنے مکان جاؤ۔ اور دین کا مدرسہ جاری  
کرو۔“ مگر جب مولوی صاحب زیادہ مضطرب بیقرار ہوئے تو ارشاد ہوا کہ ”اگر خراب ہی ہونا  
ہے تو پہلے پورب کی سیر کرو۔“ اس فرمان کی تعمیل کیلئے مولوی صاحب فوراً مستعد ہو گئے اور  
قد مبوس ہو کر پورب کی سمت چلے گئے۔

یہ بھی عجیب واقعہ ہے کہ ایک سنیاںی پنٹہ کے پنجابی درویش آئے۔ اور میرے  
بستر کے قریب بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا کہ ساد ہو جی کہاں استھان ہے۔ کہا بابا امرتسر  
سے آتا ہوں۔ اور بارہ برس سے اس تلاش میں ہوں۔ کہ کوئی نارائن کا سیوک یہ بتا  
دے کہ نزنکار اس ہمارے سری کے اندر ہے یا سری کے باہر ہے اکثر مہاتماون نے سمجھایا  
مگر افسوس کہ میری تشغی نہ ہوئی۔ جب حاجی صاحب بابا کا نام سننا تو اسی خیال سے  
یہاں بھی بھکاری بنکر آیا ہوں۔ میں ان کو اندر لے گیا۔ تو اتفاق سے اسوقت  
حضور کا بستر صحن میں تھا۔ اور آپ کھڑے تھے وہ ساد ہو جب دروازہ میں داخل

ہوا۔ جناب والا کی خدا نما صورت دیکھی۔ اسی مقام پر وہ زمین بوس ہوا اور عجیب کیفیت کے عالم میں افتان و نیزان قریب جا کر پاؤں پر سر رکھ دیا۔ سرکار عالم پناہ نے مجبو یہ حکم دیا کہ ان کو ٹھہراؤ۔ اور ان کے کھانے کا انتظام کر دینا۔

باہر آ کر میں نے کہا کہ ساڑھے ہو جی تم نے کچھ دریافت نہ کیا۔ وہ آبدیدہ ہو کر کہنے لگے کہ بغیر دریافت کئے جواب مل گیا۔ جس وقت دروازہ کھلا تو میں نے بابا کی صورت کی ایک بُوت دہرتی سے اکاش تک دیکھی اور جب گرو جی کے چون میں سردیا تو جسم بشری پایا۔ بس میری تسلیم ہو گئی اور جو آجک نہ سمجھا تھا وہ سمجھ گیا۔

یہ بھی دیکھا کہ اکثر طالبین لباس فقر کی استدعا نا منظور بھی فرمائی ہے اور بعد کو معلوم ہوا کہ نا منظور اسوجہ سے ہوئی کہ ان کی طلب صادق اور خالصاً بوجہ اللہ نہ تھی۔ بلکہ کسی غرض پر بنی تھی۔ چنانچہ ایک شخص نیپال کا باشندہ حاضر خدمت ہوا۔ اور ملتھی ہوا کہ مجبو تہبند مرحمت ہو۔ بیساختہ حضور نے فرمایا کہ پہلے اپنی جورو کو رضا مند کر آؤ۔ جب وہ باہر آیا اور اس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جورو سے لڑ کر آیا تھا اور اس رنج کی وجہ سے وہ فقیر ہونا چاہتا تھا۔ لیکن ہمارے حقیقت شناس پیشوanon اس کی باطنی حالت پر نظر فرمائی۔ اور تہبند نہیں دیا کیونکہ محض اس خانگی رنجش کے باعث اس نے ترک لباس کا ارادہ کیا تھا۔ خدا کی طلب نہ تھی۔ چنانچہ ایسے واقعات اور بھی گزرے ہیں کہ اکثر حضرات کی صدمہ کی وجہ سے ترک لباس کرنے پر آمادہ ہوئے۔ مگر حضور نے ان کو تہبند نہیں دیا۔ اور جب کچھ عرصہ کے بعد اس اندوہ والم کا ازالہ ہو گیا تو پھر بدستور وہ اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے اور برخلاف اس کے جن کی طلب تھی ان کو تہبند بھی ملا۔ اور اُنکی حالت میں تغیر بھی نہیں ہوا۔

اسی دوران میں سلسلہ صابریہ کے ایک معمر شخص درویش صورت ضلع ایڈہ سے آئے۔ اور رحیم شاہ صاحب کے کمرہ کے باہر سائبان میں ٹھہرائے گئے۔ لیکن

چار پانچ روز تک وہ اپنے بستر پر بیٹھے رہے۔ جناب حضرت کی خدمت میں بھی نہیں  
حاضر ہوئے۔ رحیم شاہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ دریافت کرو یہ کون ہیں اور کیون  
مقیم ہیں۔ میں ان کے بستر پر گیا۔ تو دیکھا ایک مطبوعہ کتاب اردو کی ان کے ہاتھ  
میں ہے۔ اور چند اہل دیہات معمولی بلقہ کے ان کے پاس بیٹھے ہیں۔ اور شاہ  
صاحب سیر و سلوک کے قواعد ان کو سمجھا رہے ہیں۔ اور درمیان تقریر میں یہ بھی  
فرماتے جاتے ہیں کہ یہاں کوئی شخص نہ یہ نکات جانتا ہے اور نہ ان مقامات سے  
واقف ہے۔ اور مرشد کی عنایت سے میں سب منازل سلوک طے کر چکا ہوں۔ بلکہ  
بہت بڑا مقام جس کا نام لا ہوت ہے میں اُسکی سیر کرتا ہوں۔ بقول

مرغ شاخ درخت لا ہو تم

گوہر درج گنج اسراریم

پہلے تو میں بھی ان کی روحانی تعلیم خاموشی کے ساتھ منتظر ہا۔ جب ان  
کے اس طرز و طریق س ظاہر ہو گیا کہ شاہ صاحب اپنی ذاتی ضرورتوں کو پورا  
کرنے کے لئے عوام الناس کو اپنی حقانیت باطنی سے آگاہ کرتے ہیں اور چونکہ  
اس کام میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے سرکار کی خدمت میں  
حاضر ہونے کا وقت ان کو نہیں ملتا۔

بالآخر میں نے کہا کہ جناب شاہ صاحب اگر تکلیف نہ ہو تو اپنے طے کردہ  
مقامات کا نام تو بتائیے۔ شاہ صاحب نے نہایت کشادہ پیشانی سے یہ فرمایا کہ  
صاحبزادے کیا آجٹک تم نے سن ابھی نہیں کہ طریقت میں مقامات فقر کے نام کیا  
ہیں۔ اگر تمکو شوق ہے تو میں تم کو سمجھائے دیتا ہوں یا درکھو کہ اول مقام ناسوت و دیم  
ملکوت سویم جبروت چہارم لا ہوت ہے۔ جن کو یکے بعد دیگر میں طے کر چکا ہوں اور  
وہی مطبوعہ کتاب دکھا کر فرمایا کہ اس میں بھی انھیں مقامات کی تصریح درج ہے اگر

زیادہ اطمینان منظور ہو تو اس کو پڑھلو۔

میں نے عرض کیا کہ جناب شاہ صاحب افسوس ہے کہ جس منزل کا طے کرنا لازمی اور ضروری تھا۔ اور جس مرحلہ کو بغیر طے کیے کامیں میں شمار نہیں ہو سکتا۔ وہی مقام آپ سے چھوٹ گیا۔ ورنہ اس قدر نورانیت آ جاتی کہ آپ ہوا پر اڑنے لگتے۔ شاہ صاحب نے گھبرا کر فرمایا کہ وہ کون مقام ہے۔ میں نے کہا کہ اس مشورہ و معروف مقام کا نام منزل کھاؤت ہے۔ جس مسافر راہ سلوک نے یہ دشوار گزار مقام طے کر لیا ہے اس کو سب منزلین آسان ہو جاتی ہیں ہر چند سالک مقام کھاؤت کے نورانی چہرہ پر پہلے فناستیت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر آخر میں بقا کا مرتبہ اس کو ملتا ہے اور مکان تمکین میں پُر تکلف مند پڑھکر وہ حقہ پیتا ہے اور بکمال اطمینان بھیروں کی ذہن میں کہتا ہے۔

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے  
کبھی اس گھر میں آٹھرے کبھی اس گھر میں جاٹھرے

شاہ صاحب نے متھیر ہو کر فرمایا کہ آج تک اس مقام کا نام بھی نہ کسی نقیر سے سنا اور نہ اس کتاب میں منزل کھاؤت کا ذکر ہے۔ میں نے کہا جناب رموز و اسرار روح سفینہ نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ علم سینہ ہے۔ جو بغیر خدمت کے نہیں حاصل ہوتا۔ بقول

ہر کہ خدمت کرو او مخدوم شد

ہر کہ خود را دید او محروم شد

چنانچہ میں نے برسون خاک چھانی۔ تب بڑی جانفستانی سے اس مقام عالی کو طے کیا ہے۔ ہر کس دن اس کی مجال نہیں کہ منزل کھاؤت طے کر زیکا خیال بھی کرے اور آپ کی تنگ ظرفی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو چہ میں قدم رکھنا

بھی آپ کو مجال ہے۔ البتہ کسی باکمال شخص کی مسلسل خدمت کیجئے۔ اور افضل الہی بھی شامل حال ہوا۔ تو شاید صحرائے کھاؤت کی ٹھوکرین کھانا آپ کو نصیب ہون۔ ورنہ اس بحر ذخاء سے بیڑا پار ہونا بہت دشوار ہے۔ کیا یہ مشہور مقولہ آپ نے سنا نہیں۔

درین ورطہ کشتی فردشد ہزار

کہ پیدا نہ د تختہ بر کنار

یہ کہکر میں تو اپنے بستر پر چلا گیا۔ مگر شاہ صاحب کو منزل کھاؤت کی سیر کا اس قدر شوق ہوا کہ جناب شاہ فضل حسین صاحب اور معروف شاہ صاحب اور شید امیان کے پاس بار بار گئے۔ اور ان سے باصرار کہا کہ آپ سفارش کر دین کے او گھٹ شاہ مجکو منزل کھاؤت طے کر ادیں۔ ان لوگوں نے بطور مذاق شاہ صاحب کو یہ سمجھایا کہ ہم بھی آپ کی سفارش کر دین گے۔ مگر بہترین صورت یہ ہے کہ آپ جناب حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ استدعا کر دین۔ قرینہ ہے کہ آپ کی خاطے سے قبلہ عالم ان کو ضرور یہ حکم دین گے۔ کہ ان کو منزل کھاؤت طے کر ادیں۔ اور پھر او گھٹ شاہ کی مجال نہیں کہ کوئی عذر کر دین۔ اور آپ کامیاب ہو جائیں گے۔

چونکہ منزل کھاؤت کے شوق نے شاہ صاحب کو از خود رفتہ کر دیا تھا اس لئے ”دیوانہ را ہوئے بس است“۔ کامضیوں ہوا کہ ان کو بھی یہ صلاح پسند آئی۔ اور اُسی وقت سرکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہو کر متدعی ہوئے کہ اللہ حکم فرمائیے کہ او گھٹ شاہ مجکو منزل کھاؤت طے کر ادیں۔ حضور نے مجکو طلب فرمایا کہ شاہ صاحب کا قصہ سن۔ اور مسکرا کر ارشاد ہوا کہ اگر تم کو معلوم ہو تو منزل کھاؤت طے کر ادیں۔

میں نے باہر آ کر شاہ صاحب سے اقرار لیا کہ جو کہون گاؤں کی تعمیل کرنا ہو گی۔  
 اُس گرویدہ مقام کھاؤت نے جب اس کو بھی قبول کیا تو میں نے یہ تلقین کی کہ آج سے  
 نصف روٹی صبح کو اور نصف شام کو کھایا کرو۔ شاہ صاحب نے وفور شوق میں ایسا ہی کیا۔ لیکن  
 اسی کے ساتھ میں نے بھی اُس روز سے نصف ہی روٹی پر قناعت کی۔ اسی ہفتہ میں شاہ  
 صاحب کو اس مجاہدہ نے ایسا ضعیف کر دیا کہ نشست و برخاست میں تکلف ہونے لگا۔ جب  
 ان کا یہ حال دیکھا تو مجھو خیال ہوا کہ دلگی میں صورت ملال نہ پیش آؤے۔ اُسی وقت جناب  
 حضرت کی خدمت میں ان کو لے گیا اور عرض کیا کہ یہ مقام کھاؤت طے کرائے۔ حضور نے  
 ذکر اسم ذات جلالی قاعدہ سے ان کو تعلیم کیا اور فرمایا۔ ”شاہ جی اب جاؤ۔“

شاہ صاحب اُسی روز چلے گئے۔ مگر بعدہ، ضلع ایڈہ کے بعض حضرات سے  
 معلوم ہوا کہ شاہ صاحب نے یہاں سے جا کر جملہ تعلقات منقطع کر دیئے۔ اور جنگل  
 میں آزادانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ہر وقت وجدانی حالت رہتی ہے۔ اور اکثر  
 ذکر اسم ذات بالجھر کرتے ہیں۔

اس واقعہ سے ایک سبق یہ ملا کہ باوجود یہ قصہ سراپا مذاق تھا۔ اور  
 شاہ صاحب کو حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ بھی مذاق ہی کے پیرا یہ میں  
 دیا گیا تھا۔ کہ یہ جا کر مقام کھاؤت کا اشتیاق ظاہر کر کر اس تذکرہ سے چند منٹ  
 کے لئے حضور کی دلبتگی ہو گی۔ اور ایسا ہی ہوا کہ شاہ صاحب کی یہ طلب سنکر حضور  
 مسکرائے بھی لیکن اس مذاق کی رسائی چونکہ دربار وارثی میں ہو گئی تھی اس لئے یہ  
 مذاق بھی وہاں پہنچکر مذاق نہ رہا۔ اور تصرف وارثی سے یہ مذاق بھی۔ ”صحبت  
 صالح تر اصالح کند،“ کا مصدقہ ہو گیا۔ بقول

سعادتِ ابدی در پی ارادتِ تست

چنانکہ عید مبارک ز بعد ماہ صیام

فیضان صحبت وارثی نے طالبِ کھاؤت کی بھی ہدایت فرمائی۔ اور نسبت وارثی کے حقیقی اثر نے یہ کر شمہ دکھایا کہ ”آگ لینے کو جائیں پیغمبری ہو جائے“، کامضیون ہوا۔ اس غیور شہنشاہ کو منظور ہوا کہ ہمارے فیض عام سے سادہ لوح بھی محروم نہ جائے بظاہر ایک ذکر بھی تعلیم فرمایا۔ اور باطنی تصرف سے ترک تعلقات کا دشوار گزار مرحلہ ایسا سہل کر دیا کہ بہ آسانی دنیا کے دام تزدیر سے رہا ہو کروہ نا بلدر را فقر بھی ویران جنگل میں مسکن گزین ہوا۔ ”ذالک فضل اللہ یوتیہ مَن يَشَاءُ“۔

ایک روز قریب عصر ہند و فرقا کے لباس میں ایک صاحب آئے اور اسی انداز کا مختصر اسباب بھی ان کے ساتھ تھا۔ اتفاق سے میں اسوقت درِ اقدس پر حاضر تھا۔ ملنے کے بعد یہ فرمایش کی کہ جلد قدموی کر ا دو۔ ابھی واپس جاؤ نگا میں نے عجلت کا سبب پوچھا تو اضطراری حالت میں یہ بیان کیا کہ مجبو معلوم ہوا ہے کہ سب کا حصہ تقسیم ہو رہا ہے۔ لہذا میں بھی آقا نے نامدار کے درِ اقدس پر اپنا حصہ لینے حاضر ہوا ہوں۔ اس لئے عرصہ نہ ہونا چاہیے۔ میں اسی وقت بارگاہ وارثی میں ان کو لا یا۔ ہنوز وہ دالان کے پاس نہیں پہنچے تھے کہ سرکار عالم پناہ نے دیکھکر فرمایا کہ۔ ”اچھا جاؤ“، یہ فرمان سنکر اسی جگہ وہ زمین یوس ہو کر واپس آئے۔ اور اپنا اسbab اٹھا کر درگاہ کی جانب چلے گئے۔

اسی وقت ٹھاگر پچم سنگھ صاحب نے آ کر یہ قصہ سنات تو تو موصوف کو شوق ہوا کہ ان کا حال مفصل دریافت کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی خیال سے ٹھاگر صاحب اور میں درگاہ میں آیا تو دیکھا وہ صاحب نماز پڑھ کر جانے کو ہیں۔ ٹھاگر صاحب نے روکنا چاہا۔ مگر انہوں نے معدرت کے ساتھ کہا کہ میں ممالک متوسط کا باشندہ ہوں مالک نے میرا حصہ دیکر مجبور خست کر دیا ہے۔ ایسی حالت میں مجال نہیں کہ قیام کرنے کا خیال بھی کروں۔ اور مل کر فوراً چلے گئے۔

علی ہذا میرے مامون حاجی اشراق حسین صاحب کے خیالات میں جو قدر تغیرات ہوئے وہ بھی خاص تصرفات داری کا کرشمہ تھا۔ کیونکہ وہ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ اور علمائے دیوبند کی تقلید کے ہمیشہ پابند رہے۔ نہ بھی صوفیائے کرام کی تبعیت کی نہ فرقائے عظام کی عظمت ان کی نگاہ میں تھی۔ چنانچہ قادر شاہ صاحب داری جو پھر ایون میں عرصہ سے قیام پذیر تھے۔ مامون صاحب ان کے بھی قطعی خلاف تھے۔ جب وہ علیل ہوئے تو صرف میری وجہ سے اس قدر رعایت کی کہ اپنی کوئی میں لَا کر انکا اعلان کرادیا۔ مگر چونکہ بدظن بہت تھے۔ اس لحاظ سے خود ان کی تیمارداری میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ ان کو حقیر سمجھ کر اُس گوشہ میں جگہ دی۔ جس میں کاشتکاری کا سامان رہتا تھا۔

لیکن قادر شاہ صاحب کی مدت حیات قریب اختتام تھی۔ علاج بھی مفید نہ ہوا اور جب احتضار کا وقت آیا تو مامون صاحب کا بیان ہے کہ مسافر سمجھکر میں ایک آن واحد کیواستے ان کے قریب گیا تو یہ تماشا دیکھا۔ کہ جو قدر ان کا لباس اور بستر بوسیدہ اور کثیف تھا۔ اسی قدر ان کا چہرہ نورانی اور وہ تاریک کرہ روشن تھا اور نہایت پسندیدہ خوبصورت تھی۔ اور ہر سانس کے ساتھ ذکر اسہم ذات جاری تھا۔ مجبو عبرت ہوئی اور فوراً خیال آیا کہ آج ان کی یہ شان و عظمت صرف حاجی صاحب کی غلامی کی بدولت ہے۔ میں نے یہ بھی پوچھا کہ کچھ کہنا ہے۔ تو شاہ صاحب نے بکمال صبر و تحمل جواب دیا کہ تم سے کیا کہیں۔ جو ہمارا سننے والا ہے اُس سے جو کہنا ہے وہ کہہ رہے ہیں۔ تمہارا یہ کام ہے کہ جب روح نکل جائے تو اس مٹی کو جہان چاہے دبادینا اور ہم تو حاجی صاحب کے پاس رہیں گے۔ اس گفتگو کے بعد خاموش ہوئے۔ اور زیادہ وقفہ نہیں گزرا تھا کہ انکا انتقال ہو گیا۔

یہ حیرت خیز واقعہ دیکھکر مامون صاحب کی حالت متغیر ہوئی۔ حتیٰ کہ اسی اضطراری میں دیوی شریف آئے۔ اور مجھ سے فرمایا کہ مرید کرادو۔ میں نے ہر چند سمجھایا کہ آپ

حاجی امداد اللہ صاحب کے دست گرفتہ ہیں۔ اب اس کی ضرورت نہیں کہ یہاں بھی بیعت کیجئے۔ مگر اسقدر بیقرار تھے کہ بار بار اصرار کیا۔ آخر مجبور ہو کر جناب حضور کی خدمت با برکت میں ان کو لیکیا۔ اور عرض کیا کہ یہ میرے مامون حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید ہیں اور آج آپ سے طالب ہونا چاہتے ہیں۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ ”ہم اور امداد اللہ دونہیں ہیں۔ بلکہ ہم اور وہ ایک ہیں“۔ مامون صاحب نے نہایت پر حسرت لہجہ میں عرض کیا کہ قبلہ عالم دوبارہ ہاتھ پکڑنا چاہتا ہوں اُسوقت حضور نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ۔ ”دیکھو یہی امداد اللہ کا ہاتھ ہے۔ ہم سے بھی محبت رکھو“۔ اور دو روز کے بعد رخصت کر دیا۔

مامون صاحب سے بعض ان کے احباب نے دریافت بھی کیا کہ آپ مکرر کیوں مرید ہوئے۔ تو مامون صاحب نے یہی جواب دیا کہ اول تو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جناب حاجی صاحب کے مرید کا انجام اچھا اور بہت اچھا ہوتا ہے۔ جیسا کہ قادر شاہ صاحب کا ہوا۔ حالانکہ مجھے ان کے ساتھ سوء ظن تھا۔ مگر ان کا خاتمه ایسا دیکھا کہ مجھے ندامت ہے کہ ایسے خوش انجام شخص سے مجھے خصومت تھی۔ آج تک متغیر ہوں کہ ان کے انتقال کے وقت وہ کمرہ منور اور معطر کیوں ہو گیا تھا۔ اور ان کی تجهیز و تکفین میں اسقدر مجمع کیوں ہوا اور یہ لوگ کہاں سے آئے۔ سوائے اس کے جناب حاجی صاحب قبلہ کی غلامی کا شرف تھا جس کا آخر وقت اس اقتدار کے ساتھ اظہار ہوا۔

دو یمیہ کہ رضا و تسلیم کی تکمیل کامل حاجی صاحب قبلہ نے اس خوبی سے فرمائی کہ جو اپنی نظری آپ ہے۔ چنانچہ دیوی شریف میں جا کر معلوم ہوا کہ وہ حقیقت زہد و استقامت اُس کو کہتے ہیں کہ جو کپڑا جسم اطہر پر ہے وہ بھی اپنا نہیں۔ اگر کسی نے تہبند پیش کیا تو اس کو باندھ لیا۔ اور جو باندھ ہے تھے وہ اس کو دیدیا۔ یہی صورت بستر کی ہے کہ ایک آتا ہے اور ایک جاتا ہے۔ علی ہذا مکان بھی اپنا نہیں۔ کہا نا بھی دوسرا شخص لاتا ہے۔

اور کھلا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ نہ گھر ہے نہ در۔ نہ حساب ہے نہ کتاب۔ نہ عزیز ہیں نہ اقارب  
نہ رشتہ دار۔ نہ کسی بھکر سے سے سروکار۔ واقعی انقلابِ حقیقی اسی کا نام ہے کہ بجز ذات  
واحد الوجود کائنات میں کسی سے کام نہیں۔

چنانچہ حضور کی بیعت کے بعد مامون صاحب اسقدر خوش عقیدت ہو گئے تھے کہ  
زندگی فقراء کی خدمت بھی کی اور ان کی عظمت کی نگاہ سے دیکھا جس کا عوض یہ ملا کہ خاتم  
کلمہ طیبہ کے ساتھ ہوا۔ جیسا کہ حضور نے متواتر فرمایا ہے کہ ”عاشق کامر یہ بے ایمان نہیں  
مرتا۔“

اسی دوران میں مضافات جیپور کے ایک نوجوان طالب فقر کو سرکار  
عالم پناہ نے تہبیندا اور لگوٹ مرحمت فرمایا۔ اور ان کا نام نبی شاہ رکھا۔ چونکہ یہ  
درویشِ مجنوں مجبوبِ خیال کے معلوم ہوئے تو خدمتِ عالی میں عرض کیا کہ حضور  
اگر ان کا قیام قادر شاہ کی کٹی پر ہو جائے تو وہ آباور ہے۔ جناب حضرت نے یہ  
استدعا قبول فرمائی اور نبی شاہ کو یہ حکم دیا کہ ”تم بچھرا یون میں قادر شاہ کی قبر  
پر رہا کرو۔“ چنانچہ آج تک نبی شاہ صاحب جب سیاحت سے واپس آئے ہیں تو  
 قادر شاہ صاحب کی کٹی پر رہتے ہیں اور نہایت صبر و استقلال سے زندگی بسر  
کرتے ہیں اور بکمالِ احتیاط پابند وضع ہیں۔

الغرض تصرفاتِ وارثی کی ایک شان یہ بھی دیکھی کہ خود تو بظاہر کوئی ہدایت  
نہیں فرمائی۔ لیکن دوسرے کی زبان سے ایسے الفاظ ان کو سنائے گئے کہ وہ مطمئن ہو  
گئے چنانچہ ایک معمر اور مقدس اور ذی علم شخص ضلع میرٹھ سے بغرضِ حصولِ بیعت در  
دولت پر حاضر ہوئے۔ لیکن جب علم کے نگین نقاب نے ان کی چشم طلب کو حقائق و  
معارف کے مشاہدے سے معدود رکھا۔ اور تشکیل و اوهام کی دیوار ایسی سڑ راہ ہوئی  
کہ تین روز آستانہ اقدس پر قیام کیا۔ مگر نہ تخلیقات نے ان کو بیعت کی اجازت دی۔ اور نہ

قطعی طور ارادت سے انحراف کرنے کی آنکو جرأت ہوئی۔ بلکہ اس کشمکش نے ایسی مہر خاموشی لگادی کہ اپنے شکوک کا اظہار بھی نہ کر سکے۔ لیکن حضور اقدس مولوی صاحب کے حال پر غیر معمولی عنایت فرماتے تھے۔ چنانچہ چوتھے روز بعد مغرب مولوی صاحب قدموں کیلئے حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب بیٹھو“۔ اور حسب معمول شید امیان سے فرمایا کہ کوئی تاریخی تذکرہ بیان کرو۔ خدام حیران تھے کہ آج یہ بات خلاف معمولات کیون ہوئی۔ اس لئے کہ یہ وقت دربار خاص کا ہے۔ مولوی صاحب کیون بٹھائے گئے۔ مگر اس کی خبر نہ تھی کہ زنگ توہات سے مولوی صاحب کے خیالات میں جو تکدرات آگئے ہیں آنکی صیقل ہو گی۔

چنانچہ حسب الحکم شید امیان نے محمود غزنوی کے عہد میں ایک امیرزادہ کو اُس کے مرشد کامل نے عشقِ حقیقی کی جو ہدایت کی تھی اُس کو بہ تفصیل بیان کیا۔ اور آغاز اس تذکرہ کا حدیث ”النَّوْمُ أَخُ الْمَوْتُ“ سے ہوا۔ اور مسائل عشق و محبت کی تصریح کبھی کسی آیہ کریمہ اور کبھی کسی حدیث صحیح سے کی۔ اور بزرگان سلف کے اقوال سے استدلال کیا۔ اور اظہار مقصد کے لئے مشنوی شریف کے بعض اشعار بھی بر جستہ پڑھے۔ اور نہایت مسلسل طریق سے دو گھنٹہ کی اس تقریر کا نتیجہ۔ ”مُوتُوا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا“۔ سے نکلا۔ اور آخر میں مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ شعر۔

خوشنتر آن باشد کہ سر دلبران

گفتہ آید در حدیث دیگران

پڑھ کر قصہ ختم کیا۔ اُسوقت حضور نے مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”مولوی صاحب اب جاؤ“۔

مولوی صاحب نے آہ کی۔ اور مثل ماہی بے آب تڑپنے لگے۔ اور نہایت

پر درد لہجہ میں کہا۔

کے تو انی شد ظہورے نیکنام

تائنا سازی خویش را بدنام عشق

اور اسی حالت میں حضور کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا۔

کیکہ روئے تو پیند حدیث گل نکند

کیکہ مست تو شد آرزوئے مل نکند

خداوند نعمت میری خراب قسم نے قین روز تک اُس سعادت سے محروم رکھا۔ آپ اہل  
بیت کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے فرزند اور قائم مقام ہیں۔ واللہ۔

اے سید پاک و پاک زادہ ہر آئینہ داد حسن دادہ

در پیش قد کشیدہ تو سرو چمن است ایتادہ

از روئے تو کافیاب حسن است شمولیت درین جہان فتاویہ

آرے سر زلف و گیسوانت بوئے بہ نیم صحیح دادہ

خدا کیوا سطے بمصدق "وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ" - میرا قصور معاف ہو اور حلقہ غلامی  
میں داخل فرمائیے۔ جناب حضرت نے اُن کی بیعت لی۔ متبسم لبون سے فرمایا کہ  
”مولوی صاحب اب رات کونہ سُوتا“۔ اور دوسرے روز اُن کو رخصت کر دیا۔

علی ہذا قاضی بخشش علی صاحب نے اپنی ارادت کا واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ

۱۳۰۳ء ہجری میں مولوی مظفر حسین صاحب دارالشیعہ کے ہمراہ بارہ بیکنی سے تقبہ سہالی  
کو میں جا رہا تھا۔ چونکہ مولوی صاحب حضور والا کے قدیم حلقہ گوش تھے اس لئے

جب ہمارا کیکہ دیوی شریف پہنچا تو صاحب موصوف شوق قد مبوسی میں مجکو بھی  
ہمراہ لیکر سر کار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور زمین بوس ہو کر مؤدب بیٹھے

گئے میں نے دیکھا کہ اسی اثنا میں بیک وقت دس بارہ اشخاص طالب بیعت آئے  
اور حضور نے معمولی طور پر مرید فرمایا کہ اُن کو رخصت کر دیا۔ مجکو خدشہ ہوا کہ آپنے بغور

کسی کو دیکھا بھی نہیں۔ قیامت کے روز یہ اپنے مریدوں کو کیونکر پہچانیں گے۔ اور سفارش کس کی کریں گے۔ لہذا ان کی بیعت کرنا قطعی بیکار اور بالکل منفعت سے خالی ہے۔ اسی عرصہ میں سرکار عالم پناہ نے مولوی صاحب کو رخصت کیا۔ اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”تم تو پھر آؤ گے“۔ مجھ بد اعمال نے حضور کے اس فرمان کا مطلق خیال بھی نہ کیا۔ بلکہ دل میں کہا کہ مجھے کیا ضرورت ہے جو پھر آؤ نگا۔

غرض اُسی وقت ہم دونوں دیوبئی شریف سے چلے۔ اور شام کو سہالی پہونچ گئے۔ تین روز کے بعد جب وہاں سے واپس چلے۔ اور سواری کی تلاش میں مجھگاؤ ان شریف کی جانب سے فتحور کی پختہ سڑک پر آئے۔ اور یہاں بھی انتظار کیا مگر سواری نہ ملی۔ تو مولوی صاحب نے کہا پینڈ کے جنگل میں ہمارے پیر بھائی خدا بخش شاہ رہتے ہیں۔ ہر چند ملاقات نہیں ہے۔ مگر اتفاق سے جب یہاں تک آگئے ہیں تو ان سے بھی ملتے چلیں۔

چنانچہ موضع پینڈ میں پہونچ کر دریافت کیا۔ اور خدا بخش شاہ صاحب کی قیام گاہ پر پہونچ تو یہ دیکھا کہ ایک دہقانی شخص بوسیدہ تہبند باندھے درخت کے نیچے بیٹھا حقہ لی رہا ہے۔ مولوی صاحب نے سلام کیا۔ تو بشاش ہو کر شاہ صاحب کے کھڑے ہو گئے اور نہایت خلوص و محبت کیسا تھا آؤ بھائی کہکر مولوی صاحب سے معافہ کیا۔ اور مجھ سے معمولی طریق سے صرف مصافحہ کیا۔ مگر مولوی صاحب کی مدارات میں ان کو خاص انبہاک تھا۔ جس سے دلی مسرت کا صاف اظہار تھا۔

شاہ صاحب کی میری نسبت یہ بےاتفاقی مجبو ناگوار ہوئی۔ اور تشریود ہو کر میں نے شکایت کی کہ شاہ صاحب فقیری کا دعوی بھی آپ کرتے ہیں اور اخلاق محمدی سے اسقدر ناواقف اور بے خبر۔ یہ تفریق آپ کو کس نے سکھائی۔ کہ ایک مہماں کے ساتھ یہ اتحاد اور ایک کے ساتھ یہ بد خلقی۔ افسوس

ہر چند یہ شکایت تو کی مگر خیال تھا کہ میری یہ خت کلامی شاہ صاحب کو ضرور ناخوش

کر دے گی۔ لیکن قضیہ اس کے بر عکس ہوا کہ شاہ صاحب بے کمال متانت بنسکر کہنے لگے کہ میان صاحبزادے بُرانہ مانو۔ یہ ہمارے بھائی ہیں اور تم غیر ہو۔ یہ ہمارے مالک کی زندہ یادگار ہیں۔ اور تم کو دربار وارثی سے کوئی حقیقی سروکار نہیں۔

مچکو تجھ ہوا اور استفسار کیا کہ یہ آپنے کیونکر جانا کہ میں غیر ہوں۔ اور یہ آپکے بھائی ہیں۔ کیونکہ حیثیت ہماری ایک ہے۔ ان سے بھی آپ ناشنا ہیں اور مجھ سے بھی ناواقف۔ پہلا موقعہ ہے جو ہم دونوں کو نیاز حاصل ہوا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ بابا یہ کیونکر سمجھاؤں۔ اس لئے کہ تم کو تو اسیکا یقین نہیں کہ ہمارا مالک اپنے مریدوں کو کیونکر پہچانیگا۔ مگر غور کرو کہ اس پیشوائے ذی احشام کے ادنیٰ غلام جب یار و اغیار کو پہچانتے ہیں تو ہمارے آقا نے نامدار کی تو بڑی سرکار ہے۔

شاہ صاحب کی یہ عارفانہ تقریر میرے امراض باطنی کے حق میں اکسیر ہو گئی۔ دل نے اپنی جہالت کا فوراً اعتراف کیا اور عظمت وارثی کا ایسا انکشاف ہوا کہ میں نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور رعب حق سے مرعوب ہو کر خاموش ہو گیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد مولوی صاحب نے شاہ صاحب سے رخصت طلب کی تو موصوف فرط محبت سے ایسے بیقرار ہوئے اور زار زار رونے لگے۔ اور اصرار کرتے رہے کہ آج نہ جاؤ۔ لیکن مولوی صاحب نے شاید میری جہت سے معدرت کی۔ اور وہاں سے ہم دونوں پھر پاپیادہ چلے۔

پنجتہ سڑک پر آ کر مولوی صاحب سے میں نے اپنی حالت بیان کی اور متدعی ہوا کہ دیوی شریف چلو اور آج ہی حلقہ غلامی میں داخل کرادو۔ مولوی صاحب نے میری اس خواہش پر مر جما کہا۔ اور قریب عصر دیوی شریف پہنچکر بارگاہ وارثی میں حاضر ہوئے۔ اور سرکار عالم پناہ سے میری سفارش کی۔ حضور نے مسکرا کر فرمایا۔ ”آگئے جب تک دور تھے دور تھا ب ہمارے پاس رہیں گے۔“ اور میری بیعت لی۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ فیضان وارثی نے کس کس طریقہ سے مخلوق

الہی کی ہدایت فرمائی اور کیسی خوبی سے ان کے خدشات رفع کئے کہ آئندہ خیالات میں شکوہ کی گنجائش نہ رہے ورنہ قاضی بخشش علی صاحب کی تعلیم دوسرے عنوان سے بھی ممکن تھی۔ مگر نہیں۔ اُس طبیب باطنی نے ان کے مرض کا علاج اُس نسخے سے کیا جس نے اسباب مرض کو ہمیشہ کیلئے زائل کر دیا اور ان کا یہ شبہ کہ جناب حضرت مریدین کی شاخت کیونکر فرمائی گئے یون رفع کر دیا کہ اپنے ایسے غلام سے مقابلہ کر دیا جس کے صحیح اندازہ نے بغیر تعرف ایک نظر میں یار و اغیار کا احتیاز کر لیا۔ اور قاضی صاحب کے شکوہ و تخلیات کی کافی اصلاح ہو گئی۔

اس واقعہ سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ اخوان ملت کو اس طرح باہمی انس و محبت رکھنا لازمی ہے۔ جس طرح خدا بخش شاہ صاحب کی شفقت برادرانہ کا اظہار ہوا۔ اور باوجود نہ آشنا ہونے کے مولوی مظفر حسین صاحب کی پہلی ملاقات میں خلوص والفات کیا تھمدارات کی۔ بلکہ تھوڑا انگور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ وارثی کے قدیم حلقة گوش جس طرح دیگر صفات میں ہم سے ممتاز تھے۔ اُسی طرح یہ صفت بھی ان میں خاص طور پر نمایاں پائی جاتی ہے اور واقعی وہ پاک نہایہ باہمی ارتباط و اتحاد میں یگانہ روزگار تھے۔ اور ان کے واقعات ضرور یادگار رہیں گے۔

چونکہ وہ حق شناس اہل تصدیق تھے اور پیشوائے برحق کی ہدایت کے مطابق ان کا یہی طریق تھا کہ باہمی انس و محبت کو دستور مشرب کی شق قطعی جانتے تھے۔ کیونکہ سرکار عالم پناہ نے متواتر فرمایا ہے کہ ”بھائی بھائی میں باہمی محبت ہونا اس کی دلیل ہے کہ ان کو باب سے محبت ہے۔“

حضور کا یہ ارشاد جو غلاموں کے لئے باہمی اتحاد کا صریحی حکم ہے اسکو اگر نظر تعمق سے دیکھا جائے تو شارع اعظم ﷺ کی ہدایت کا لفظی ترجمہ ہے کیونکہ حضرات محدثین کا اتفاق ہے کہ جناب رسول کریم علیہ الہیتہ وَ السَّلَام نے اخوت اسلامی کے قیام و استحکام کیواسطے تاکید اکید فرمائی۔ اور انصار و مهاجرین نے اس زرین ہدایت کی تقلیل جس خلوص و خوبی سے

کی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ مغرب سے مشرق تک ان کی شان و عظمت کا نشان بلند ہوا۔ اور اس قلیل التعداد جماعت کے ہاتھ سے بڑے بڑے کارہائے نمایاں ہوئے اور ہر گوشہ عالم میں اسلام کا ڈنکان گیا۔

تیرہ سو برس کے بعد اسی اتحاد کی ہدایت حبیب رب العزت کے مظہراً تم نے اپنے غلاموں کو کی۔ اور سمجھا دیا کہ اخوانِ ملت کی باہمی محبت فی الحقیقت پیشوائی کی محبت ہے کیونکہ بیٹا اور مرید اپنے باپ اور پیر کی حقیقی یادگار ہے۔ اور یہ ایسا صحیح معیار فرمادیا کہ جس میں کبھی اختلاف ہونہیں سکتا۔ اس لئے کہ اگر اسلاف سے تعشق ہے تو ان کی نسبت کا اقتضا ہے کہ اخلاف سے ضرور تعلق ہو۔ بقول

زخم دل کیون عزیز ہونہ مجھے  
یہ نشانی ہے اُس کے پیکاں کی

غرض فیضان وارثی نے خدا بخش شاہ کی صورت میں قاضی صاحب کی یہ ہدایت ایسی فرمائی کہ موصوف نے صرف بیعت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ موضع گدیہ کی قدیم سکونت ہمیشہ کیلئے ترک کی۔ شب و روز خدمت با برکت میں حاضر رہنے لگے۔ حتیٰ کہ مکان بھی دیوی شریف میں بنالیا۔ اور دربار وارثی کے مخصوص خدام میں انکا بھی شمار ہو گیا۔ لہذا یہ تصرف گو بظاہر خدا بخش شاہ صاحب کا تصرف معلوم ہوتا ہے۔ مگر نہیں۔ خدا بخش شاہ بکمزلہ نے کے تھے۔ اور نے نواز کوئی خاص قوت تھی جس نے یہ کرشمہ دکھایا۔

بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ

در پس آئینہ طویل صفت مداشتہ اند

آنچہ استاذ ازل گفت ہمان میگویم

اور بعض مستردین کو حقائق و معارف کی تلقین حضور نے دوسری شان سے فرمائی کہ بغیر تو سل انکا طمیناں یون کر دیا کہ ایک معمولی نظم کے مطالعہ سے وہ غلام کامیاب اور

فائز المرام ہو گئے۔ ہر چند اس تحریر منظوم کا ظاہری مفہوم غیر معمولی نہ تھا۔ مگر باطنی طور پر اس کا تصرف کچھ اور ہوا۔ چنانچہ احمد شاہ صاحب وارثی جو آبائی شرف غلامی سے مشرف اور قدیم تہبیند بوش ہیں ان کو سرکار عالم پناہ نے ایک مشتوی مرحمت فرمائی۔ اور ارشاد ہوا کہ روز پڑھ لیا کرو۔ احمد شاہ صاحب نے کچھ عرصہ تک اس کی مزاولت کی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی حالت بالکل متغیر ہو گئی۔ گوان کے واردات قلبی سے خبردار نہیں ہوں۔ مگر بظاہر یہ کیفیت ان کی تھی کہ نہ عافیت کی خواہش نہ اذیت کامل۔ خویش واقربا سے بیزار۔ بجز پیشوائے برحق کی سے سروکار نہ رہا۔ اور بقول ببل شیرازیہ خیال پختہ ہو گیا۔

خبر آستان تو ام در جہان پنا ہے نیست

سر مرا بجز این در حوالہ گا ہے نیست

اکثر عوارض جسمانی لائق ہوئے اور ان کی جہت سے ناقابل برداشت تکلیف بھی اٹھائی لیکن نہ کبھی علاج کیا اور نہ کبھی شکایت سے لب آشنا ہوئے۔ جملہ احوال میں رضاۓ مولا از ہمہ اولیٰ پر عمل رہا۔ اور آج تک اسی اصول کے پابند ہیں۔ بقول۔

پر وم بتو ماہ خویش را

نودانی حساب کم و بیش را

علیٰ ہذا حافظ خدا بخش صاحب متوطن آگرہ کو بھی فیضان وارثی نے اسی شان سے مستفیض فرمایا۔ ہر چند حافظ صاحب قدیم حلقة بگوش تھے۔ اوائل عمر میں ان کے والدین نے مرید کر دیا تھا۔ اسی لحاظ سے وہ اکثر حاضر خدمت بھی ہوتے تھے۔ لیکن بجز علوم ظاہری کے قلندرانہ طریق کی جانب موصوف کی طبیعت کا میلان مطلق نہ تھا۔ ایک مرتبہ جو شوق زیارت میں حاضر ہوئے۔ تو حضور اقدس نے ایک مسدس سنایا۔ جس میں جذبات عشق کا تذکرہ تھا۔

حافظ صاحب کو حضرت اقدس کی اس عنایت کا احساس بھی نہ ہوا۔ بلکہ خیال

کیا کہ بجائے آیات و احادیث کے یہ اردو کا مدرس کیون سنایا گیا۔ دوسرے روز جب حضور نے رخصت کیا تو وہی مدرس مرحمت فرمایا۔ اور بکمال شفقت ارشاد ہوا کہ ”حافظ جی کبھی کبھی اس کو بھی پڑھ لیا کرو۔“

حافظ صاحب کا بیان ہے کہ آگرہ پہنچ کر دوچار، ہی مرتبہ اُس کو پڑھا تھا کہ نجس سے وہی واقعات جن کے اشارات اس میں منظوم تھے پیش آئے۔ اور دفعتاً خیالات میں ایسا تغیر ہوا کہ جو سامان میری دلچسپی کا تھا اُس سے قطعی نفرت ہو گئی اور وہ احباب جن کی صحبت سے دبستگی اور فرحت ہوتی تھی۔ ان کی صورت سے وحشت ہونے لگی اور اس حالت میں روز افزون ترقی ہوئی۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے بعد دیوانہ وار حاضر خدمت ہو کر تہبند کا طلبگار ہوا۔ لیکن حضور نے فرمایا کہ ”اپنا تقویٰ نہ خراب کرو۔“

دوسرے روز حافظ صاحب زہد و اتقا سے بیزار ہو کر نگ کو نام سے دست بردار ہوئے۔ عاشقانہ روشن اختیار کی۔ اور ملامت خلق برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ہر چند بعض اہل عقل و هوش نے سمجھا یا بھی۔ مگر وہ جوش فرونہ ہوا۔ اور ایک آہ سرد بھر کر اضطراری حالت میں کہا کہ آپ میرے غنوار ضرور ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔

بقول حافظ شیراز رحمۃ علیہ

حافظ بخود نہ پوشید این خرقہ می آلو د

اے شیخ پاک دامن معدود ردار مارا

اور اسی رندانہ طریق اور قلندرانہ وضع سے خدمت با برکت میں حاضر ہوئے اُن کی یہ ہمیت کذالی دیکھ کر حضرت مسکرائے۔ اور اسی وقت خرقہ فقر یعنی تہبند مرحمت ہوا۔ اور احمد شاہ نام رکھا۔ اور ارشاد ہوا کہ ”حافظ جی اب اسی وضع سے رہنا اور اسی وضع سے مرتنا۔“

اب اگر خیال کیا جائے وہ منشوی ایسے حقائق و معارف سے مملو تھی جس کے درد

سے احمد شاہ صاحب فائز المرام ہوئے۔ اور یہ مسدس سراپا رموز و اسرار سے معمور تھا۔ جس کے مطالعہ سے فوری اثر یہ ہوا کہ حافظ احمد شاہ صاحب ایسے عابد ہی نہ کو بخود و بیقرار کر دیا۔ تو کہا یہی جائے گا کہ ہرگز نہیں۔ اسلئے کہ ان منظوم تحریروں میں گو خصوصیاتِ عشق اور اثراتِ محبت کا ذکر ضرور ہے۔ مگر متعدد حضرات نے انکا مطالعہ کیا ہے۔ لیکن بظاہر یہی دو شخص چونکہ کامیاب ہوئے ہیں۔ اس واسطے صاف ظاہر ہے کہ یہ کرشمہ کسی خاص قوت کاملہ کا ہے۔ جس نے اس پرده میں اپنے غلاموں کو دید و یافت کی آنکھیں مرحمت فرمائیں۔ اور برسوں کی ریاضت شاقہ کے بعد بھی جو صورت و ہم و خیال میں آتا دشوار یا محال تھی۔ اس کافی الحال ایسا اظہار ہوا کہ جس کو دیکھ کر یہ مدد ہوش و بیقرار اور تعلقاتِ عالم سے قطعاً دست بردار ہو گئے۔

چنانچہ اسی قبیل کے متعدد واقعات ہیں کہ مختلف طریق سے اپنے غلاموں کی سرکار عالم پناہ نے پرورش فرمائی ہے۔ اور وہ نعمتِ تفویض ہوئی جو ان کو حیثیت و استعداد سے بہت زیادہ تھی اور اس کا بھی یقین ہے کہ جو ارادتمند بظاہر فیضان باطنی سے ہنوز مستفیض نہیں ہوئے ہیں۔ وہ بھی بصدق۔ ”کُلُّ أَمْرٍ مَرْهُونٌ بِأَوْقَاتِهَا“۔ عنایت پیشوں سے محروم نہیں رہیں گے۔ کیونکہ حضور نے متواتر فرمایا ہے کہ ”جسکی قسمت کا جو حصہ ہے وہ اُس کو ملیگا۔ اور اگر زندگی میں نہیں ملا تو مرتبے وقت ضرور ملیگا۔ اور مرتبے وقت نہ ملا تو اُس کی قبر میں ضرور بٹھوں دیا جائیگا۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ۔ ”عاشق کا مرید بے ایمان نہیں مرتا“۔ لہذا غلام و ارشاد کو یہ بشارت مبارک ہو کہ ہادی کامل نے امداد کا قطعی وعدہ فرمایا ہے۔ اور جب امداد کا وقت آیا تو حسب وعدہ امداد کی۔ یقینی وہ صادق الاقرار آئندہ بھی اپنا وعدہ ضرور ایفا کریگا۔

بلکہ اس عطیات باطنی کے ساتھ حضور نے ظاہری ہدایات سے بھی ہم کو محروم

نہیں رکھا۔ جن کی تقلیل سے اہل ظواہر کے دینیوی معاملات درست اور اہل اللہ کے دینی مشکلات آسان ہو سکتے ہیں۔ بقول

بہار لکش حسد دل و جان تازہ میدارد

برنگ اصحاب صورت رابہ بوار باب مخفی را

ہر چند حضور کے بعض طفولیات کا ذکر اخوان طت نے اپنی تالیفات میں کیا ہے۔ اور وہی ہماری ہدایت کے واسطے کافی اور بس تھے۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی حاضری کے زمانہ میں جو ارشادات بگوش خود سُنے ہیں اور ہنوز میرے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے چند ضروری ہدایات جملائیں نقل کروں۔

چنانچہ ایک روز حضور نے فرمایا کہ۔ ﴿فقیر کو چاہیے ہر حال میں خوش رہے اور زندگی کے دن کاٹ دے۔ تکلیف ہو تو شکایت نہ کرے۔ اور آرام ہو تو شکر بجا لائے﴾ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ۔ ﴿فقیر کو چاہیے نہ تکلیف سے گھبرائے اور نہ شکایت کرے۔ کیونکہ محبوب کی دی ہوئی چیز سے گھبراانا محبت کے منافی ہے اور محبوب کی شکایت مشرب عشق میں کفر ہے﴾۔

اور یہ تو سرکار عالم پناہ نے متواتر فرمایا ہے کہ ﴿بڑی فقیری یہ ہے کہ مرجائے مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے﴾۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ﴿فقیر کو چاہیے کسی کی چیز کو خیانت کی نگاہ سے نہ دیکھے﴾ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿فقیر وہ ہے جو اکنگ رہے﴾۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ﴿فقیر وہ ہے جو اپنی بستی میں رہ کر خویش و اقرباً کامنون نہ ہو﴾۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ فقیر کو لازم ہے کہ بجز خدا کے کسی کا بھروسہ نہ کرے۔ اور یہ بھی حضور کا فرمودہ ہے کہ ﴿فقیر جہان رہے لاطع رہے﴾۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿بڑی بات یہ ہے کہ فقیر اپنی

بستی میں نیک نام ہو۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ۔ ﴿ مقام فقر بہت بڑا مقام ہے ۔ اور اکثر حضور نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴾ سلسلہ فقر اہلبیت کرام علیہم السلام سے ہے ۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿ فقیری بی بی فاطمہ سے ہے ۔ اور امام حسین علیہ السلام کے ذریعہ سے یہ فیض جاری ہوا ۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ۔ ﴿ فقیروہ ہے جو انتظام سے علیحدہ ہو ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿ فقیر وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو ۔ یہ بھی حضور کا فرمودہ ہے کہ ﴿ فقیر وہ ہے جو کسی چیز کا نہ مالک ہونہ خود کسی کی ملک میں ہو ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿ فقیر کو چاہیے نہ کسی کے لئے دعا کرے ۔ اور نہ گند اتعویذ کرے ۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ﴿ فقیر وہ ہے جس کی کوئی سانس خالی نہ جائے ۔ یہ بھی بتا کید فرمایا ہے کہ ﴿ فقیر کو لازم ہے کہ دنیا کے واسطے کوئی کام نہ کرے اور خدا کے واسطے جان دیدے ۔ 』

یہ بھی حضور نے فرمایا ہے کہ ﴿ جو شخص اپنا کام آپ کرنا چاہتا ہے تو اللہ میاں بھی علیحدہ ہو جاتے ہیں ۔ اور جو اللہ کے بھروسہ پر چھوڑتا ہے تو اللہ اس کے کام کو پورا کرتا ہے ۔ بس لازم یہ ہے کہ جو کام کرے اللہ کے بھروسہ پر کرے ۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ یقین کے ساتھ خدا کو اپنا مددگار جانو ۔ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ وَكِيلًا ۔ 』 اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿ خدا ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے ۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ۔ ﴿ خیر و شر اُسی کی جانب سے ہے ۔ مگر تصدیق اس کی مشکل ہے ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ خدا تم میں ہے مگر تم دیکھ نہیں سکتے ۔ (فِي أَنْفُسِكُمْ أَفْلَأُ تُبَصِّرُونَ) ۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ﴿ ایمان خدا کی محبت کا نام ہے ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ من و تو کا جھگڑا جائے تو خدائی کا جلوہ نظر آئے ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ اپنی

ہستی کا مٹانا عین فقیری ہے)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ (مودہ ہونا بہت مشکل ہے)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ (آج کل توحید لئے سیر ہے)۔

یہ بھی حضور نے فرمایا ہے کہ (عشق وہی ہے جو کب سے نہیں حاصل ہوتا)۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ (محبت ہے تو سب کچھ ہے اور محبت نہیں تو ریاضت بیکار ہے)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ۔ (محبت ہے تو ہزار کوس پر ہم تمہارے ساتھ ہیں)۔ یہ بھی حضور کا ارشاد ہے کہ۔ (ایک صورت کو پکڑ لو۔ وہی تمہارے ساتھ یہاں بھی رہیگی اور وہی قبر میں۔ اور وہی حشر میں ساتھ ہو گی)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ۔ (محبت میں شاہ و گدا کا فرق نہیں رہتا۔ جیسے محمود و ایاز کا واقعہ ہے)۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ۔ (یار کا تصور عاشق کی زندگی ہے)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ۔ (رضائے یار عاشق کا ایمان ہے)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ۔ (عشق میں انتظام نہیں)۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ۔ (جس کو اپنی خواہشات کی خبر ہے وہ عشق سے بخبر ہے)۔ اور اسی مضمون کو حضور نے دوسری لفظوں میں یوں فرمایا ہے کہ۔ (عاشق یار سے خبردار اور موجودات سے بخبر رہتا ہے)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ (معشوق کی جفا کو عاشق عطا سمجھتا ہے)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ۔ ”محبت میں انسان اندھا ہو جاتا ہے“۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ۔ (ایمان محبت کامل کا نام ہے)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ (عشق میں ترک ہی ترک ہے)۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ۔ (عاشق وہ ہے جو معشوق پر جان قربان کرے)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ۔ (عشق میں سردے تو یہ مہم سر ہو)۔

یہ بھی حضور کا فرمودہ ہے کہ (جب تک خود بنی ہے پیر سے جا ب رہیگا)۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ (خود پرستی جا ب کو بڑھاتی ہے اور مقصود سے دور رکھتی ہے)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ۔ (بیخودی جا ب کو اٹھاتی ہے)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ

﴿ مرید اس طرح پیر سے ملے جس طرح قطرہ دریا سے مل جاتا ہے ۔ جب تک  
قطرہ نہیں ملتا ہے قطرہ رہتا ہے اور جب مل جاتا ہے تو وہی قطرہ دریا ہو جاتا  
ہے ۔ پھر کوئی اسے قطرہ نہیں کہتا ۴) ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿ عشق میں کفر اسلام ہو  
جاتا ہے ۵) ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ انسان اُسکے ساتھ رہتا ہے جس سے محبت  
ہوتی ہے ۶) ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ پیر کی صورت میں خدا ملتا ہے ۷) ۔ اور تمثیل  
میں مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ شعر پڑھا ۔

چونکہ ذات پیر را کر دی قبول

ہم خدار رذالتش آمد ہم رسول

یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ جو شخص جس سے محبت کرتا ہے اُسی کے ساتھ  
اُس کا حشر ہوتا ہے ۸) ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ جو صورت تمہارے ساتھ یہاں  
رہے گی وہی مرتب وقت وہی قبر میں وہی حشر میں ساتھ رہے گی ۹) ۔ یہ بھی  
فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ جس کے تصور میں مرد گے اُسی کے ساتھ حشر ہو گا ۱۰) ۔ یہ بھی  
فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ جس کو تصدیق نہیں اُس کا ایمان نہیں ۱۱) ۔ یہ بھی فرمایا ہے  
﴿ جس صورت کا خیال پختہ ہو جائے گا وہی صورت بعد مرگ بھی قائم رہے گی ۱۲) ۔  
اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ جو مرید پیر کو دور کجھے وہ مرید ناقص ہے اور جو پیر  
مرید سے دور رہے وہ پیر ناقص ہے ۱۳) ۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿ حسد ہمیشہ ذلیل رہتا ہے ۱۴) ۔ یہ بھی فرمایا ہے  
﴿ حسد سے ایمان خراب ہوتا ہے ۱۵) ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ کسی کو بُرانہ  
کہونہ بُرا کجھو ۱۶) ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ کسی کی عداوت کو دل میں جگہ نہ  
دو ۱۷) ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿ دشمن سے بدله نہ لو ۱۸) ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ۔ ﴿  
دشمن کے ساتھ سلوک کرو ۔ حضرت شیر خدا کی سنت ہے ۱۹) ۔ یہ بھی فرمایا

ہے کہ جس دل کو محبت سے سروکار ہوتا ہے اُس میں عداوت کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ۔ ہماری منزلِ عشق ہے اور منزلِ عشق میں خلافت اور جانشینی نہیں۔ جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے۔ بلکہ مستند ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔ اور رسالہ عین الیقین میں بھی لکھا ہوا ہے کہ ۲۷ نومبر ۱۸۸۹ء کو یہ فرمان بایں صراحت ضبط تحریر میں آیا کہ ہماری منزلِ عشق ہے۔ جو کوئی دعویٰ جانشینی کا کرے وہ باطل ہے۔ ہمارے یہاں کوئی چمار ہو یا خاکر و ب ہو جو ہم سے محبت کرے۔ وہ ہمارا ہے۔

الغرض پیشوائے برحق نے ہماری ہدایت ایسے جامع اور عام فہم الفاظ میں فرمائی ہے جو سیر بسر خوبیوں سے مملو ہے۔ مثلاً اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو انھیں احکام میں تخصیص بھی پائی جاتی ہے اور انھیں میں تعییم بھی معلوم ہوتی ہے۔ جس طرح ایک مجرد اور آزاد غلام انھیں احکام کی تعمیل سے کامیاب اور فائز المرام ہو سکتا ہے اُسی طرح ایک ایسا دست گرفتہ جو ہنوز دام تعلقات میں گرفتار ہے وہ بھی انھیں زرین ہدایات سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے بآواز بلند ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور کے ارشادات ہمارے دینی مفادات اور دنیوی بہبود کے واسطے کافی اور بس ہیں۔ اور ملفوظات وارثی کا مجموعہ جملہ غلامان وارثی کے لئے مکمل دستور العمل کا حکم رکھتا ہے۔ جس کی تعمیل سے ہم انسان بلکہ انسان کامل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ اخوان ملت جنہوں نے صدق و خلوص سے حضور کی تعلیم کو کلیٰ تسلیم کیا ہے وہ مقصود اصلی کے حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوئے۔ اور درحقیقت وہی اس کے مستحق ہیں کہ ان کو یہ مقدس خطاب دیا جائے اور ان کو وارثی کہا جائے۔

مالکِ حقیقی ہم کو بھی یہ توفیق مرحمت فرمائے کہ فرمانبردار غلاموں کی

طرح ہم بھی احکام و ارثی کی بے کمال ذوق و شوق تعمیل کریں اور  
ہمارے ذیال کو بھی ایسی ایک سوئی اور وہ استقلال حاصل ہو کہ حوادث  
محوسات عالم سے ہم متاثر نہ ہوں۔ اور مطلوب حقیقی کے شوق وصال  
میں زبان حال سے کہیں۔

جان میں زندہ بتا شیر ہوائے دُگراست

سازداری نہ کند آب وہائے دگرم

لہذا اب یہ رسالہ اس عذر کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ جب یہ مسلمہ ہے کہ  
شہنشاہ افليم عشق سرکار عالم پناہ کے تصرفات و ہدایات بھی یقینی جذبات عشق  
اور خصوصیات محبت سے خالی نہیں تو عشق کے رموز و اسرار کا مجملہ ذکر کرنا بھی  
دو شوار ہے۔ بقول

سخن عشق نہ آنست کہ آید بزبان

ساقيا می دہ و کوتاہ کن این گفت و شنید

تَمْ بِعَوْنَهِ تَعَالَى وَ هُوَ يَتَوَلَّ الصَّالِحِينَ

پیان آمد این دفتر حکایت ہمچنان باقی بصد دفتر نشاید گفت حسب الحال مشتاقی

تقریظ و تاریخ از نتائج طبع عالی سخن سخن بیمثاں جامع فضل کمال فصح طلیق  
اللسان منطقی بلیغ البیان فروع مرطع معنی شناسی جناب حکیم مولوی سید  
احمد صاحب وارثی مدظلہ العالی

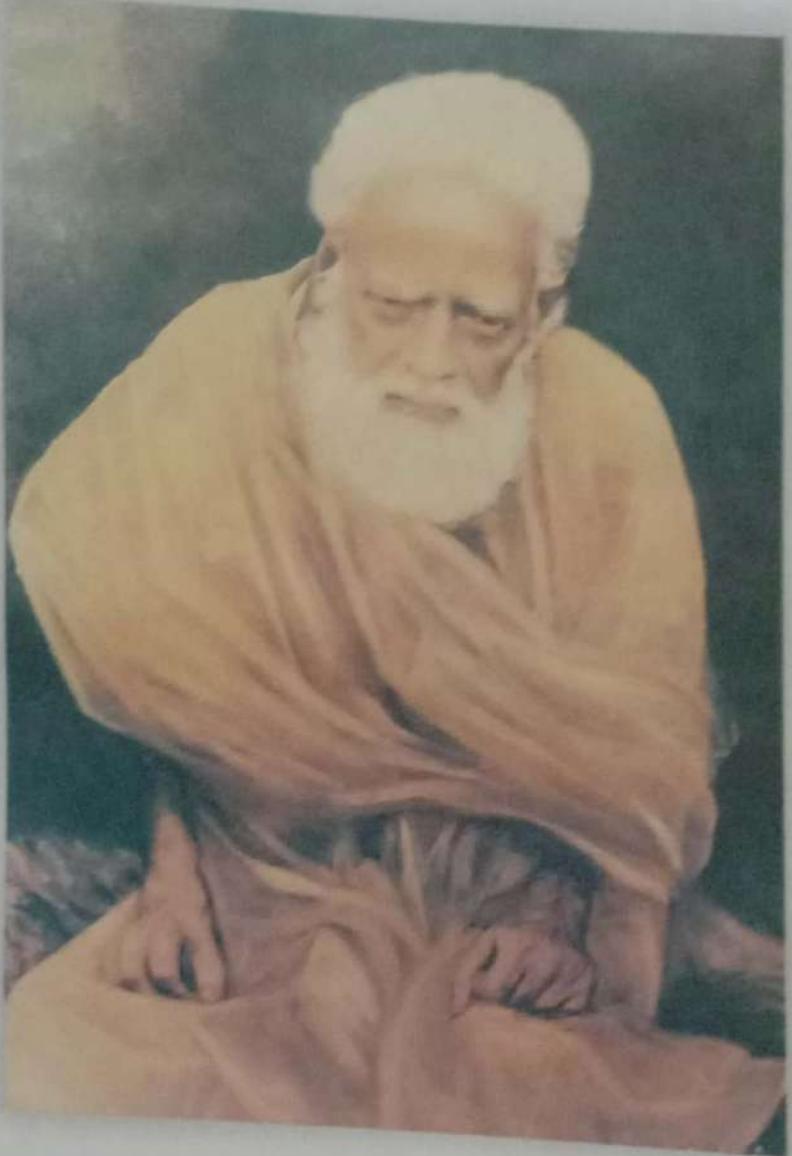
بگوش آید ز هر سویم ہوا وارث ہوا وارث

ازین رو فاش میگوییم ہوا وارث ہوا وارث

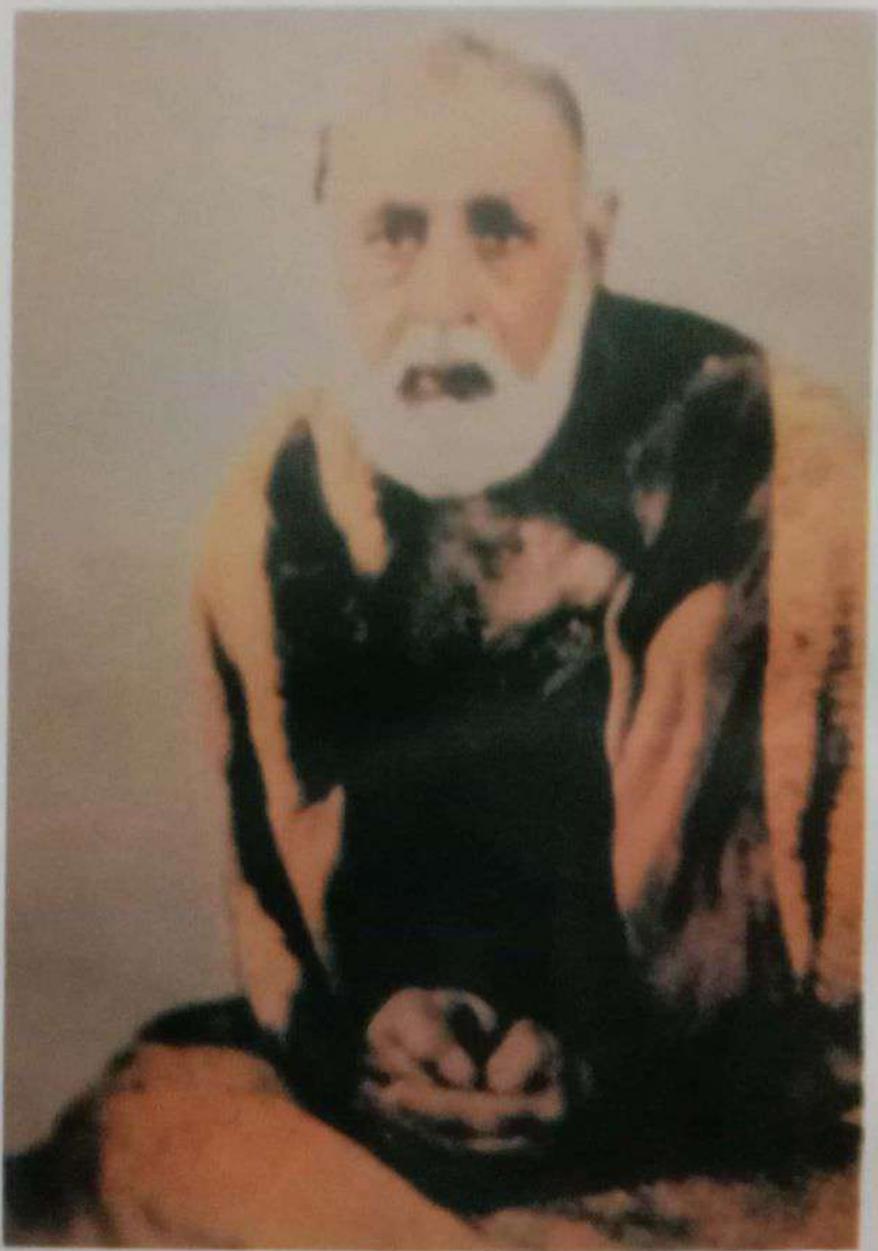
الحمد لله الٰہی مَنْ عَلَیْنَا بِوُجُودِ مُحَمَّدٌ نَّصْفُهُ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ آنکہ  
درین روز ہا برادر محترم حضرت او گھٹ شاہ وارثی پھرا یونی کہ تصانیف دیگر ہم  
دار در سالہ منیفہ و خیرہ رشحتاں الان در باب چکونگی مرور اوقات خویشن منضبط  
فرمودہ کہ در ان از یوم ادر اک شرف خدمت حضور مرشد پاک فرزند صاحب  
لو لاک قطب عالم غوث اعظم حاجی حریم الشریفین و سلطنتیانی الدارین سیدنا و  
مولانا وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تاخفاً زندگانی ظاہری و ظہور حیۃ باطنی حضور  
لامع النور طاب ثراه و جعل جنة الرضوان شواہ ہر چہ دید و گذشت بطريق  
اختصار یکے از ہزار ثبت نمودہ تا از سرگذشتی یادگارے و پس آیندگان را  
از وے تذکارے باشد۔ ہمدرین نور و دامان اور اق آخر نیش تبرگاہ تینا باند  
سے از گرانمای گوئے ملفوظات ہمایوں کہ گاہ پیگاہ در ان ہنگام بگوش ہوش  
خوردہ بود پر اپنا شستہ و برائے خویشن بہینہ زادے برداشتہ۔ چشم آن دارم کہ  
اگر میسر شود و دیگر برادران طریقت ہم تمبا بتعش گام بردارند ذخیرہ خوبی و  
گلدستہ مرغوبی ازین دست فراہم متیوان شد۔ قطعہ مختصرے از سال طبعش کہ  
تحجت تمام بہر سید الحال بنوک خامہ سپردہ میشود۔ والسلام خیر ختم۔

چو او گھٹ شاہ احوالش رقم کرو اگر چہ بیشتر حال خودش ہست بفیض وارث پاک من احمد

بنجے زدم از تاریخ وارث نمی سخنم کم، از تاریخ وارث بشد سالش ہم، از تاریخ وارث



حضور سرکار عالم پناہ حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ عظیم اللہ ذکرہ



حضرت حاجی فقیر او گھٹ شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ